UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188040
UNIVERSAL
LIBRARY

۷۵۱ع
۵۴ف
Checked 1965

تنقیح میسوپوٹامیہ

(ارض نہرین یا جزیرہ)

بابل اور اشور | جس زمین پر بابل اور اشور آباد تھے وہ یہاں سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جس زمانہ کے حالات لکھنے ہیں اُسکو بھی ہزارہا برس منقضی ہو چکے ہیں۔ پس اگر کوئی یہ پوچھے کہ ایسے تمدن کے ساتھ جو بابل میں حضرت عیسیٰ سے تین ہزار برس پہلے اور بابل سے اشور میں ہو چکا ڈھائی ہزار برس پیشین مسیح رائج تھا ہم کو کیا دل بستگی ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ موقع کا فاصلہ، زمانہ کی دوری اور واقعات کی قدامت ہی وہ چیزیں ہیں جن سے ہم کو بابل و اشور کی تاریخ، اُسکے علوم و فنون، مذہب و ملت کے حالات سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زمانۂ ماضی اور خاصکر ماضی بعید ہمارے دلوں پر کچھ عجیب جادو کا سا اثر رکھتا ہے۔ اور یہ اثر غالباً اس یقین کا نتیجہ ہے کہ گو حال و مستقبل ہمارے بس کا نہیں، لیکن زمانۂ ماضی تو اپنا ہو چکا ہے، اور جو چیز اپنی ہو چکی ہو اُس سے کیوں بیخبر رہیں۔ بنی نوع انسان کی تاریخ ایک زنجیر ہے جسکی ایک کڑی دوسری کڑی میں لگی ہے۔ ہر ایک تمدن جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اپنے سے پہلے تمدن کا وارث ہوتا ہے۔ آج شمالی و مغربی یورپ کی تہذیب رومانی تمدن کا نتیجہ ہے۔ رومانی علم و ہنر کو قوت یونان سے پہونچی۔ یونانی تمدن کی بنیاد ایشیائی تمدن پر رکھی گئی۔ ایشیائی تمدن میں مصر قدیم، بابل اور ایشیا کو چک کے تمدنوں کا اثر موجود تھا۔ اگر ایشیا میں زیادہ مشرق کی طرف بڑھیں تو معلوم ہوگا کہ زنجیر یہاں بھی نہیں ٹوٹتی۔ ایران ہندوستان کا ایسا ہی خوشہ چین تھا جیسے کہ جاپان چین کا۔ بودھ مذہب کی وجہ سے چین و ہندوستان کے تمدن میں تعلق قائم ہوا اور اس یقین کے لیے کافی وجوہ موجود ہیں کہ بودھ مذہب کے پیدا ہونے سے پہلے ہندوستان سے علم و ہنر کی موجیں چین میں پہونچ چکی تھیں۔ اس بات کی شہادت بھی قوت پکڑتی جاتی ہے کہ ہندوستان اور چین کی تہذیب پر بہت کچھ اثر وادیِ فرات اور وادیِ نیل کے تمدنوں سے پہونچا۔

عہد ماضی اور آثار قدیمہ | پس عہد ماضی کے واقعات کا مطالعہ کرنا اپنے ہی ماجرائے سابق کا مطالعہ کرنا ہے۔ مقام یا زمانہ گو کیسا ہی بعید ہو مگر وہ قریب ہی نظر آتا ہے۔ کوئی چیز پرائی نہیں بلکہ اپنی ہی معلوم ہوتی ہے۔

گویا اپنا ہی خون اپنا ہی پوست ہے۔ غرض یہی وہ چیز تھی جس نے یورپ اور امریکہ کے بعض لوگوں کو اس محنت میں مصروف کر دیا کہ وہ عمارات قدیمہ کو جو مدت ہائے دراز سے زمین میں دبی پڑی تھیں کھود کر نکالیں ۔۔۔ شوق اپنا بڑھا کہ اکثر ملکوں میں مثلاً یونان، اطالیہ، ریشیائے کوچک، ہندوستان، شام و فلسطین، مصر بابل میں بلا کتشان تحقیق ہاتھوں میں کدال اور بیلچے لیکر قدیم تمدنوں کے آثار زمین سے برآمد کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اور اکثر صورتوں میں اولاد آدم کے فراموش کردہ واقعات تاریخی کو انسان کے حافظہ میں پھر زندہ کر دکھایا۔ اور وہ حکایات و روایات جو دھندلی روشنی میں صاف سمجھ میں نہ آتی تھیں اُنکی جگہ صحیح واقعات روشن اور واضح شکل میں پیش کر دیے ۔۔۔ تاریخ کے اصلی واقعات کو قصوں اور افسانوں کے کوڑے کرکٹ سے چن کر الگ کر دکھایا۔ بلکہ یہ کہنا زیبا ہوگا کہ سومیریں کی قوموں نے جو جو شقتیں اس شوق میں اُٹھائی تھیں کہ ناموری میں کون کس سے بازی لے جاتا ہے اور ناموں میں کس کا نام رہتا ہے اور کس کا جاتا ہے اُنکی مٹی ہوئی خاک اور اُفتادہ نشانیوں کے پورے قصر کو از سر نو تعمیر کر دیا۔ ۶ل۵۸

سرزمین دجلہ و فرات، گہوارۂ بنی آدم لیکن قدامت کے علاوہ بعض اسباب ایسے ہیں جنھوں نے دجلہ اور فرات کی سرزمین کو ایک خاص دلچسپی بخشی ہے۔ توریت کی مقدس روایات نے اس سرزمین کو تہذیب و شائستگی کا دیباچہ ہی نہیں قرار دیا ہے بلکہ بنی آدم کا گہوارہ بھی اُسکو بتایا ہے۔ باغ عدن ارض بابل ہی میں واقع تھا۔ چنانچہ بیان ہوا ہے کہ رود دجلہ و فرات انسان کے اسی ابتدائی مسکن میں سے گذرے تھے حضرت آدم و حوا کے قصہ کی نسبت اتنا ضرور ہی کہنا پڑتا ہے کہ روایتیں جن میں حضرت آدم و حوا کی ابتدائی سکونت بابل میں بیان ہوئی ہے اُنکی بڑی قیمت یہی ہو کہ کاتبانِ توریت یعنی عبرانیوں کے دل میں بابل کی نہایت درجہ عظمت موجود تھی اور اُنکے مذہبی قصص و حکایات بابل سے ایسے وابستہ تھے جیسے ناخن سے گوشت۔ ابوالبشر حضرت آدم گو باغ عدن سے چلے گئے مگر آپ کی اولاد ارض بابل سے نہیں نکلی۔ وادی سنعار (جہاں بیان ہوا ہے کہ تمام بنی آدم اُسوقت سکونت رکھتے تھے جس وقت کہ بابل میں وہ مینار تعمیر ہوتا تھا جسکو آسمان تک مرتفع کرنے کا شوق سب کے دل میں تھا) فی الحقیقت وادی فرات کے جنوبی حصہ کا ایک نام ہے۔ توریت کے اس منارہ کے ذکر کے ساتھ اہل فن کے ذہن میں وہ منارے بھی آجاتے ہیں جو ارض بابل کی مذہبی عمارتوں کے ساتھ اکثر برآمد ہوئے ہیں۔ منار کی روایت میں اور اُن دونوں روایتوں میں جو کتاب پیدائش کے گیارہویں باب میں درج ہیں یعنی ایک تو شہر کی تعمیر کے متعلق جسکو بابل کا نام دیا گیا اور دوسری منارہ کے متعلق۔ ان

دونوں میں بڑا سبق یہی نکلتا ہے کہ ارض بابل کی عزت اور اسکا تقدس مخلوق کے دل میں اس درجہ موجود تھا کہ اُنھوں نے بنی آدم کا مولد ومسکن بھی ارض بابل ہی کو سمجھ لیا تھا۔ بنی نوع انسان نے جہاں پہلے پرورش پائی وہ مقام کہاں تھا؟ اُن ماہرین کے درمیان ایک مشکل مسئلہ سمجھا جاتا ہے جنکو علم الانسان سے بحث ہے۔ اور ابتک اس سوال کی نسبت یہی خیال ہے کہ اُسکے جواب میں سائنس کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ واقعہ کہ ارض فرات آفرینشِ انسان سے اسوقت تک بنی آدم کا ابتدائی وطن مشہور چلی آتی ہے۔ دلیل اس دعوے کی ہے جسکے لیے اور شہادت بھی موجود ہے (گو مکمل نہیں) کہ ایک اعلیٰ درجہ کا تمدن سب سے پہلے سرزمین بابل ہی پر پیدا ہوا۔ بابل کا رقیب اگر کوئی دوسرا ملک ہو سکتا ہے تو وہ مصر ہے۔ اسوقت جو نشانیاں ملی ہیں اُن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ گو مصری تمدن کی ابتدا بابل کے تمدن سے پہلے ہوئی ہو، لیکن کسی تمدن سے جو اعلیٰ درجہ کی ترقی بطور نتیجہ کے پیدا ہوئی ہے وہ سب سے پہلے بابل ہی کے تمدن سے ظاہر ہوئی۔

بابل اور اشور کا تمدن | اس سوال کو یہیں چھوڑکر ہم توریت کے بیانات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عبرانیوں نے فلسطین میں داخل ہونے سے پہلے اپنا سفر بابل ہی کے ایک شہر سے شروع کیا۔ کیونکہ مقام اُر جہاں سے حضرت تارح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد روانہ ہوئے ارض بابل کا ایک مشہور شہر تھا حاران بھی جہاں اُر سے چل کر آپ نے قیام کیا۔ اُر سے شمال میں سرزمین بابل کا ایک شہر ہے۔ کوئی وجہ اس خیال سے انکار کی نہیں ہو سکتی کہ منجملہ اُن گروہوں کے جو زمانہ مابعد میں عبرانی کے لقب سے پکارے گئے اُن میں سے کم از کم ایک گروہ ایسا تھا جسکی اصل ارض بابل سے تھی۔ سچ یہ ہے کہ فراتی تمدن کی طرف اشارہ عبرانیوں کی تاریخ کے ہر زمانہ اور عہد میں ملتا ہے۔ عبرانیوں کی زبان میں، اُن کے قوانین وآئین میں، اُنکے فنون اور تعمیرات میں، اُنکی معاشرت اور سیاسی انتظام میں، اور بہت زیادہ اُنکی مذہبی رسوم اور معتقدات میں اس تمدن کے آثار بخوبی نظر آتے ہیں ـــــ انجیل کا عہد عتیق بابل کے تمدن سے بھرا پڑا ہے ـــــ یہاں تک کہ جب عہد جدید کو پڑھتے ہیں تو بھی یہی دیکھتے ہیں کہ ہم اُس دائرہ سے باہر نہیں ہیں جس میں بابل کا اثر موجود تھا۔

ارض بابل کے دو دریا | نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ وادی فرات میں تمدن اسقدر قدیم زمانہ سے کیونکر شایع ہو گیا ـــــ اس ملک میں دو بڑے دریا نظر آتے ہیں جن سے ملک سیراب ہوتا ہے یعنی ایک فرات اور دوسرا دجلہ۔ ان دریاؤں سے زمین کے زرخیز ہونے کا حال یونان کے قدیم مورخ ہیروڈوٹس نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے ـــــ فرات کا اصلی نام پراتو ہے ـــــ پرانی تصانیف اور کتبوں میں اس کو

دریاے کبیر بھی لکھا ہے — یہ دریا دراصل مُلک بابل کے جنوبی حصہ کا دریا ہے — دجلہ جس کا اصلی نام دگلہ ہے اور جسکو دریاے تیز رو لکھا ہے۔ فی الواقع بلادِ شمالی یعنی ارضِ اشور کا دریا ہے۔ یہ دونوں دریا گو ایک ہی کوہستان سے یعنی جبالِ آرمینیہ سے نکلے ہیں لیکن انکی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ گو فرات بحیثیتِ مجموعی ایک خاموش اور بعض حصوں میں سُست رَو دریا ہے مگر بڑی شان سے بہتا ہے اور پہاڑوں کی حدود سے باہر نکلنے سے پہلے اُس میں بہت سی پہاڑی ندیاں اور چھوٹے دریا شامل ہو جاتے ہیں۔ شروع میں اُسکا بہاؤ مغرب کی طرف ایسا نظر آتا ہے کہ گویا بحرِ متوسط کا قصد رکھتا ہے۔ لیکن اُس طرف چلتے چلتے دفعتًا اُسکا رُخ جنوب مشرق کی طرف پھر جاتا ہے۔ پھر اس میں ندیاں اور دریا بہت کم شامل ہوتے ہیں۔ جنوب مشرقی سمت میں بہتا ہوا جب زیادہ جنوب میں پہونچتا ہے تو رودِ دجلہ سے اُسکا اتصال ہو جاتا ہے۔ فرات کا طول ۱۷۸۰ میل ہے لیکن اس طول کا وہ حصہ کم ہے جس میں کشتیاں چل سکتی ہیں۔ کیونکہ اُسکی شمالی گذرگاہ کی ناہمواریاں کشتیبانی میں مزاحم ہوتی ہیں۔ جنوب میں اسکی سُست چال اور جا بجا ریت کے ٹاپو کشتیاں چلانے میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہوئی کہ مالِ تجارت کی آمدورفت کے لیے کسی وقت میں بھی اس دریا کو شہرت نہیں ہوئی۔ دریاے دجلہ کا طول اگرچہ فرات سے کم ہے (یعنی صرف ۱۱۴۶ میل) لیکن اُسکا حال فرات سے مختلف ہے۔ وہ پہاڑوں میں اپنے منبع سے نکلتے ہی قوت پکڑ کر اونچے نیچے دروں اور تنگ و تاریک گھاٹیوں میں سے زبردستی اپنا رستہ نکالتا ہے اور ہموار ملک تک پہونچنے میں بہت سے دریا اُسمیں ملجاتے ہیں اور اس رفتار میں اسکا عرض بتدریج بڑھتا جاتا ہے۔ مگر باوجود اسکے جب وہ جنوب کی سطحِ زمین پر پہونچتا ہے تب بھی اُسکی تیز رفتاری میں فرق نہیں آتا۔ اور اب اور بھی جنوب کی طرف پیچ و خم کھاتا دریاے فرات کا رُخ کرتا ہے لیکن پھر ہٹ جاتا ہے۔ مگر کچھ دور بڑھکر قرنا کے مقام پر بالآخر فرات سے جا ملتا ہے اور اس مقام سے دجلہ اور فرات کی ملی ہوئی دھاریں شط العرب کا نام اختیار کر کے خلیجِ فارس میں جا گرتی ہیں۔ شمال میں دیار بکر سے لیکر فرات کے اتصال تک دجلہ میں کشتیاں چل سکتی ہیں شہتیروں کے بیڑے دریا دریا بغداد تک آ سکتے ہیں اور شط العرب کے دہانے سے موصل تک چھوٹے آگبوٹ جا سکتے ہیں بس دریاے دجلہ، بابل و اشور کے مالِ تجارت کے لیے بڑا راستہ تھا اور یہ ہی وہ دریا تھا جسکی وجہ سے بابل و اشور کا خلیجِ فارس کی راہ سے ایک طرف ہندوستان سے اور دوسری طرف مصر اور بحرِ قلزم اور بحرِ متوسط سے تعلق پیدا ہوگیا تھا۔ جیسا فرق ان دونوں دریاؤں میں پایا جاتا ہے ویسا ہی فرق ملک کے شمالی حصہ یعنی اشور اور جنوبی

حصہ یعنی بابل میں پایا جاتا ہے - ارض اشور کا طول ۳۵۰ میل ہے اور عرض جہاں کم سے کم ہے وہاں ۱۹۰ میل ہے - اور جہاں زیادہ سے زیادہ ہے وہاں ۳۰۰ میل تک پہونچ جاتا ہے - شمال اور شمال مشرق اور شمال مغرب میں وہ پہاڑی سلسلوں سے گھرا ہوا ہے اور زمین کا بہت سا حصہ خاصکر مشرق کی طرف کا کوہستانی ہے - کُردستان کے پہاڑ دجلہ سے قریب اور موصل سے کچھ جنوب میں واقع ہیں - انکے باہر زمین کی کیفیت بدل جاتی ہے - پہاڑوں سے نکلتے ہی ہموار زمین نرم اور قابل زراعت ملتی ہے - رودِ دجلہ اور اُسکے مددگار دریا اور چشمے سرما کی بارشوں سے طغیانی میں آکر گرد و نواح کی زمینوں کو بالکل غرقاب کر دیتے ہیں - اگلے وقتوں میں جب نہریں تعمیر نہیں ہوئی تھیں یہ سیلاب جان اور مال کو غارت کر دیا کرتے تھے - مگر ان سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جنوبی حصہ ملک یعنی بابل جسکا طول ۳۰۰ میل اور عرض زیادہ سے زیادہ ۱۲۵ میل ہے نہایت شاداب اور زرخیز خطہ بنگیا - جو اور گیہوں کی پیداوار اس کثرت سے ہونے لگی کہ اکثر ملکوں کو غلہ بابل ہی سے جایا کرتا تھا

بابل کے تمدن کے اسباب ارض بابل کی شادابی اور ثمر خیزی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ زمین اُس مٹی سے پیدا ہوئی ہے جو دریا اپنے ساتھ لاکر طغیانی کے بعد چھوڑ جاتے تھے - یہ مٹی اب بھی ایک سال میں ۹۰ فٹ نئی زمین دریا کے دہانے پر پیدا کر دیتی ہے - قدیم زمانہ میں اس سے بھی زیادہ نئی زمین دریا کے دہانوں پر پیدا ہوا کرتی تھی - اس آوردہ مٹی کے جمنے اور نئی زمین پیدا ہونے سے بابل کے ایسے شہروں کی عمر کا اندازہ کیا جاتا ہے جو پہلے خلیج فارس کے کناروں سے بہت قریب یا بالکل کنارے پر واقع تھے - مگر جو اب کناروں سے بہت ہٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں - ایسے شہروں میں اریدو کا شہر تھا جسکی نسبت تحقیق ہے کہ وہ خلیج فارس کے ساحل پر واقع تھا - اب وہ خلیج سے ۱۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے - اگر مٹی بڑھنے کا اوسط فی سال ۹۰ فٹ قرار دیا جاوے تو اس حساب سے کہہ سکتے ہیں کہ عرصہ ۷۰۰۰ برس کا ہوا کہ اریدو خلیج فارس کے کنارے پر آباد تھا - چونکہ یہ بھی تحقیق ہوا ہے کہ دجلہ اور فرات کے دریا خلیج فارس میں جدا جدا مقام پر گرتے تھے ، اسلیے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ تمام ملک جو مقام قرنا سے موجودہ سواحلِ خلیج کے درمیان واقع ہے وہ عہد تاریخی میں پیدا ہوا ہے - اس سے پہلے وہاں پانی تھا - پس قدرت کی یہ فیاضی کہ دو دریا ملک میں موجود تھے جو غیر معمولی شادابی زمین کو بخشتے تھے اور یہ بات کہ اُن میں ایک دریا شمالی ملکوں سے خلیج فارس تک مال تجارت کی بڑی شاہراہ تھا اور یہ امر کہ خلیج فارس جس سے ملک ملا ہوا تھا خود ایک بڑا ذریعہ تھا کہ دُور دُور کے ملکوں تک رسائی ہو سکے وہ اسباب جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ارض بابل کیونکر قدیم زمانہ سے ایسے لوگوں کا

مسکن ہوگیا جنھوں نے بدویت سے نکل کر زراعت کو اپنا پیشہ بنالیا اور اس پیشہ کو ایسی حالت میں اختیار کیا جبکہ زیادہ سے زیادہ پیداوار کم سے کم محنت میں پیدا ہو سکتی - ملک کے موسمی حالات نے بھی زراعت کو بہت ترقی دی

ایک عجیب خصوصیت

علاوہ قدامت کے وادی فرات کے تمدن پر برخلاف دیگر تمدنوں کے یہ ایک عجیب ماجرا گذرا تھا کہ اُسکے تمام ظاہر اور مادی آثار یا تو مٹ گئے تھے یا پردہٗ خاک میں ایسے روپوش ہوگئے تھے کہ اُنکا نشان تک ڈھونڈنا دشوار تھا - اور اس طرح تاریخی عہد کے ہزارہا برس کے حالات جواُن آثار سے (اگر وہ قائم رہتے) آسانی سے ظاہر ہو جاتے، انسان کے احاطۂ علم سے خارج رہے - آج سے چند پشتوں پہلے یہ حال تھا کہ بابل اور اشور کی تاریخ دعلوم و فنون سے واقفیت بہت کم کسی کو حاصل تھی - اگر کچھ تھی بھی تو اسکا دار و مدار قطعی توریت کی حکایات یا بعض یونانی اور رومانی مصنفوں کے بیانات پر تھا مگر ان سانات سے جو کچھ معلومات پیدا ہوتی تھی وہ نامکمل و غیر کافی تھی - ملک مصر کی طرح بابل اور اشور میں ایسی عمارتیں موجود نہ تھیں جن کو دیکھکر اہل ذوق زمانہ ماضی کی شوکت پر حیرت زدہ ہوتے - مگر باوجود اس کے جو نوبت اقتدار دنیای قدیم پر بابل و اشور کے تاجداروں نے پہونچایا تھا اور جیسی حربی قوت اُنھوں نے پیدا کی تھی، اور جیسی عمارات عالیشان معابد و ہیاکل محل و باغات سے اُنھوں نے اپنے ملک کو رونق بخشی تھی، اور نیز وہ فضل و کمال جس کی وجہ سے اُنکے پیشوا یان دین ہزارہا برس تک دنیا میں مشہور رہے انسان کی یاد سے مطلقاً محو نہ ہوسکے - گو خواب کی طرح یہ چیزیں کچھ نہ کچھ یاد رہیں، لیکن اُنکے صحیح اور تفصیلی حالات جس سے پوری تصویر اُس تمدن کی آنکھوں میں پھر جاتی جسکو گذرے ہوے ہزارہا برس ہوے تھے، مطلق معلوم نہ تھے - بلکہ صحیح معلومات کی جگہ مبالغہ آمیز اور غیر واقعی افسانے اُن میں مشہور چلے آتے تھے -

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

ایسا ملک جو علم و ہنر کو جلد پرورش کرنے اور ترقی دینے کی قابلیت رکھتا ہو وہ زوال شروع ہوتے ہی جلد تلف اور ضایع کر دینے کا مادہ بھی رکھتا ہے - مثلاً دونوں دریاؤں کی طغیانی جو زمین کے لیئے اس قدر مفید تھی اُس میں ہر سال جان و مال کے ضایع ہونے کا خوف بھی شامل تھا - اور جب تک ایک بڑے پیمانہ پر نہریں کھودنے کا سلسلہ جاری نہ ہوا اُسوقت تک مخلوق کی جان و مال کو حفاظت نصیب نہ ہوئی - اور اس مصیبت سے کہ مہینوں تک مُلک کے بعض بعض اضلاع پانی میں غرق رہیں نجات نہ ملی - کتاب پیدایش کے پہلے باب میں جو تصویر سیلاب نوح کی دکھائی گئی ہے اور جس میں زمین کے برآمد ہونے سے پہلے ذرا

حالت بیان ہوئی ہے کہ پانی نے سب چیزوں کو ڈھک دیا تھا، غالباً یہ موقع اسی منظر سیلاب کا ہے جو ہر سال ارض بابل میں پیش آیا کرتا تھا۔ اسی طرح یہ خیال کہ بجز چند نفوس کے ایک زمانہ میں تمام بنی نوع انسان ایک طوفان کی وجہ سے بالکل غارت ہوگئے تھے اُن لوگوں کے وہم و قیاس سے بعید نہ تھا جو ہر سال برسات میں طوفان و طغیانی کی غارتگری اپنی زمینوں پر دیکھا کرتے تھے۔ بابل و اشور کے زوال پر جب نہروں کی مرمت کی طرف سے غفلت ہونے لگی تو نہروں کی تعمیر سے پہلے جو خراب حالت تھی اُس سے بھی بڑھکر یہ نقصان ہوا کہ جو کام صدہا نسلوں نے ہزارہا برسوں میں کیا تھا وہ تھوڑے عرصہ میں غارت ہوگیا۔ بستیاں اور شہر صفحۂ ہستی سے مٹنے لگے۔ اور یہ تباہی ان چیزوں کے باعث سے جن سے اہل بابل اپنی عمارتیں بناتے تھے اور بھی زیادہ عمل میں آئی۔ یہاں بھی اگر بابل کی عمدہ مٹی عمارتوں کے بنانے اور اہل بابل کو اپنا ہنر دنیا پر جلد روشن کرنے میں مددگار ہوئی تو ویسے ہی اُس کی ناپائداری اس بات کا سبب ہوئی کہ بڑی بڑی مرتفع عمارتیں جلد مسمار ہوکر تودہ خاک بنگئیں۔ کچی عمارتوں کی ہمیشہ مرمت کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ بادشاہ بابل بنوخذنصر ثانی کے عہد کے ایک کتبہ میں لکھا ہے کہ ۴۵ برس کی غفلت کافی ہوئی کہ ایک بڑی پرستش گاہ کی عالیشان عمارت ٹوٹ کر کھنڈر ہونے کے قریب ہوگئی۔ جنوبی حصہ ملک میں قطعاً اور شمالی حصہ میں اکثر تعمیر کے کام میں صرف مٹی ہی استعمال ہوتی تھی۔ خواہ اُس سے غریب اپنے گھر بنائیں اور خواہ بادشاہ اپنے محل و قصور و پرستش گاہ تعمیر کریں۔ شمالی حصہ میں بڑی بڑی عمارتوں میں کہیں کہیں پتھر لگایا گیا تھا۔ پس جب یہ حالت تھی تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس دو ہزار برس کے عرصہ میں جو بابل و اشور کے شہروں کی ویرانی اور اُنکو کھود کر برآمد کرنے کے درمیان گذرے ہیں ان عمارتوں پر کیا کچھ نہ گذرا ہوگا۔ عمارتیں گر کر کھنڈر ہوگئیں اور باد سموم کے جھونکوں نے زمین سے ریت کے دل بادل اُڑا کر اس تباہی کو اور زیادہ کیا۔ چنانچہ شکستہ در و دیوار کی اگر کہیں تھوڑی بہت ہیئت بھی نظر آتی تھی وہ بھی آنکھ سے اوجھل ہوگئی۔ بڑے بڑے آباد شہروں کی جگہ فقط خاک کے تودے یا ریت اور مٹی کے ٹیلے رہ گئے۔ لیکن پھر بھی یہ کہنا پڑے گا کہ فطرت نے اس غارتگری میں بھی رحمدلی کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اگر ریت و مٹی ان پرانے شہروں کے کھنڈروں پر ڈھیر اور ٹیلے نہ بنا جاتے تو دنیائے قدیم کے تاریخی دفتر اس جہان سے قطعی ناپید ہوجاتے۔ کیونکہ ان ڈھیروں اور ٹیلوں کے نیچے جیسا کہ بعد کو ظاہر ہوا بیکانی خط میں لکھے ہوئے طرح طرح کے مکتوبات، اسناد و دستاویزات، گلی تختیاں اور اسطوانے، اینٹیں اور

لوحیں، بڑے بڑے معبودوں کی مورتیں اور آدمیوں کے بُت بالکل محفوظ رہے۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کی مدد سے آج آثار قدیمہ کے محقق بابل و اشور کی تاریخیں لکھنے کے قابل ہوئے۔ غرض اس صورت سے تختیوں اور لوحوں پر جو تاریخی ذخیرہ کندہ تھا وہ زمانہ کی دستبرد سے بچ گیا۔ ورنہ زمانہ کے انقلابات سے متاثر ہو کر یہ چیزیں کبھی کی غارت ہو گئی ہوتیں۔

اُنیسویں صدی گذشتہ تمدن کی نشانیوں کو زمین سے نکالنا اور پھر اُن نشانیوں سے بابل و اشور کی تاریخ، علوم و فنون معاشرت کو پڑھکر اور سمجھکر دوبارہ ضبطِ تحریر میں لانا۔ یہ سب کام اُنیسویں صدی عیسوی کے ہیں۔ یہ صدی دنیا میں ہمیشہ اس بات کیلئے مشہور رہے گی کہ اس میں وہ باتیں تحقیق و منکشف ہوئی ہیں جنھوں نے ایک طرف تو کائنات کی نسبت ہمارے خیالات کو تبدیل کر کے موجودہ شرائط زندگی کو ایک دوسری نہج پر قائم کر دیا اور دوسری طرف تاریخ قدیم کے اوراقِ گم شدہ کو بازیاب کر کے ہمارے علم کو ترقی دی۔

شہر نینوہ دجلہ کے کنارے کنارے اور فرات کی وادی میں جو ٹیلے جابجا نظر آتے تھے اور مٹی کے ٹوٹے برتن یا نقشیں اینٹوں کے ٹکڑے جو اُن ٹیلوں کے اوپر یا اُس پاس پڑے ملتے تھے یا تھوڑی سی زمین کھودنے پر نکل آتے تھے اس بات کا پتہ دیتے تھے کہ ان ٹیلوں کے نیچے ضرور پُرانے وقتوں کے آثار دبے پڑے ہیں۔ لیکن تھوڑی سی کُھدائی سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ جہاں یہ ٹیلے ہیں وہاں کس کس نام اور حیثیت کے شہر اگلے وقتوں میں آباد تھے۔ نام اور شہرت ایسی چیزیں ہیں جو واقعات کے صحیح علم کے معدوم ہونے پر بھی باقی رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ مشہور چلا آتا تھا کہ شہر موصل کے سامنے کچھ فاصلہ پر جو ایک سلسلہ ٹیلوں کا ہے وہاں کبھی نینوہ کا مشہور شہر آباد تھا۔ ان ٹیلوں میں سے ایک کا نام نبی یونس ہے اور اسکی چوٹی پر ایک چھوٹی سی عمارت تھی جسکی نسبت یہاں کے لوگوں کا بالعموم یہ اعتقاد تھا کہ وہ حضرت یونس کا مزار ہے۔ حضرت یونس وہ نبی تھے جنھوں نے شہر نینوہ کے حق میں بددعا کی تھی اور یہ شہر غارت ہو گیا تھا۔

ابتدائی توجہ اس عمارت میں حضرت یونس کی قبر کا ہونا تو ایک فرضی بات ہے۔ لیکن اس روایت میں کہ حضرت یونس نے نینوہ کے حق میں بددعا کی تھی حضرت یونس کے ساتھ نینوہ کا خیال ایسا وابستہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اس بات کو نہ بھولا تھا کہ نبی یونس کے ٹیلہ کے نیچے سلطنت اشور کا دارالحکومت یعنی نینوہ کے شہر کا بڑا حصہ (جیسا کہ فی الحقیقت بعد کو ثابت ہوا) دبا پڑا ہے۔ جنوب میں بغداد سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ایک سلسلہ ٹیلوں کا اور تھا جس میں سے ایک ٹیلہ کا نام بابل تھا۔ اس نام سے یہ

خیال ہوا کہ جنوبی سلطنت کا دارالحکومت اسی موقع پر کہیں ہوگا۔ غرض یہ اشارے اور اتے پتے تھے جنکی مدد سے پرانے سیاحوں اور عمارات قدیمہ کے شائقین نے تحقیق کا کام شروع کیا۔ سولھویں اور سترہویں صدی عیسوی میں ان ٹیلوں کی طرف اور ان ہی کے نواح میں دوسرے ٹیلوں کی طرف بہت سے سیاحوں کو توجہ ہوئی۔ بلکہ اس زمانہ سے بھی کئی سو برس پہلے ایک مشہور سیاح نے جسکا نام ربی بن یامین طلیطوی (۱۱۶۰ء) تھا اپنے سفرنامہ میں مختصر سا حال بابل و نینوہ کے ویرانوں کا لکھا سولھویں صدی کے اخیر نصف حصہ میں جن سیاحوں نے بابل اور نینوا کی طرف کسی قدر توجہ کی اُن کا ذکر چھوڑ کر سترہویں صدی کے شروع میں ایک سیاح پٹرونامی کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ شخص اطالیہ کا باشندہ تھا۔ اور مشرقی ملکوں میں بہت سیر و سیاحت کر چکا تھا۔ اس نے اصطخر کے کھنڈروں کے علاوہ جہاں سے پیکانی خط میں لکھے ہوئے کتبے کی ایک نقل بھی حاصل کی تھی، بابل کے ٹیلوں اور مقیر کے ٹیلوں کا جن میں حضرت ابراہیم کا مولد یعنی اُر کا شہر وادیِ فرات میں آباد تھا امتحان کیا تھا۔ یہ پہلا شخص ہے جو یورپ میں بابل کی اینٹیں جن پر حروف کندہ تھے لایا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے سیاحوں میں جن کو دجلہ اور وادی فرات کے ٹیلوں کی تحقیق کا شوق ہوا اُن میں دو بڑے آدمیوں کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔ ایک کارستن نیبور جو ڈنمارک کا مشہور ڈاکٹر اور سیاح تھا جس نے دجلہ کے قریب شہر بابل کا واقع ہونا ثابت کیا اور دوسرا ابی دی بیچم ہے جس نے اٹھارویں صدی کے ختم ہونے سے کچھ پہلے اُن ٹیلوں کا ذکر کیا ہے جن کے نیچے شہر بابل کے آثار جا بجا دبے پڑے تھے۔ اس سیاح نے لکھا ہے کہ ان ٹیلوں کے قرب میں روغنی اینٹوں اور اسطوانوں کے ٹکڑے جن پر حروف کندہ ہیں جا بجا ملتے ہیں۔

کندن کا ابتدائی کام جس وقت یہ یقین ہوگیا کہ ان ٹیلوں کے نیچے زمانہ قدیم کے آثار اور نشانیاں دفن ہیں تو پھر اُنکو کھود کر نکالنے کا جو شوق سیاحوں اور شائقین آثار قدیمہ کے دل میں پیدا ہوا اُسکا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ حقیقت میں جب یہ لوگ سوچتے ہونگے کہ ان ٹیلوں میں ہزارہا برس کی پرانی چیزیں خدا جانے کس کس قسم کی دبی ہیں تو اُنکی بیتابیِ شوق انتہا سے گذر جاتی ہوگی۔ چنانچہ ایک انگلش مین کلاڈیس جیمس رچ نے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بغداد میں رزیڈنٹ کا عہدہ رکھتے تھے ولایتِ بغداد کو اپنا صدر مقام قرار دیکر ۱۲ برس اس کوشش میں صرف کیے کہ بابل اور نینوہ کے ٹیلوں کی تحقیق اور بغداد سے موصل تک جس قدر مقامات ہیں اُنکی جغرافی کیفیت دریافت کریں۔ رچ صاحب کی کوششوں کے نتیجے بنسبت سابق

کی کوششوں کے بدرجہا مفید ثابت ہوے۔ لیکن افسوس ہے کہ ۱۸۳۱ء میں صرف ۳۴ برس کی عمر میں اس لائق نوجوان محقق کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ مگر باوجود کوششوں کے ناتمام رہنے کے بہت سی پرانی چیزوں کا جو زمین سے کھود کر خود برآمد کی تھیں یا دوسرے لوگوں سے خریدی تھیں ایک معقول ذخیرہ اپنے بعد چھوڑا۔ یہ ذخیرہ گو زیادہ نہ تھا مگر اُس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا تھا کہ کیسی مختلف اقسام کی چیزیں ان ٹیلوں میں دبی ہیں۔ رچ صاحب کے مرنے پر برٹش میوزیم نے اُنکی جمع کی ہوئی کل اشیا خرید لیں۔ ۱۸۲۷ء و ۱۸۲۸ء میں ایک اور انگریز نے جسکا نام رابرٹ میگنان تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت رکھتے تھے جنوبی حصۂ ملک میں بہت سے ٹیلوں کا امتحان کیا تھا اور ان ٹیلوں پر لمبی لمبی نالیاں کچھ چوڑی اور کچھ گہری کھود کر اُن ٹیلوں کی عمر اور کیفیت کا اندازہ کرنا چاہا تھا۔ ۱۸۳۵ء اور ۱۸۳۶ء میں انگلش گورنمنٹ نے نواح دجلہ اور فرات کی پیمایش کا کام اپنے ذمہ لیا۔ لیکن یہ عزت کہ کندن کی غرض سے پہلی باضابطہ جماعت قائم کی جاوے فرانس ہی کو نصیب ہوئی۔

گذشتہ ستر برس کی محنت یہ قصہ کہ اشور و بابل کے شاہی محل اور عبادت خانے اور اُنکے قیمتی سامان محققوں کی کوشش سے کس طرح انسان کی نظر کے سامنے دوبارہ پیش ہوے نہایت درجہ دلچسپ ہے۔ اس داستان کو ایک فرانسیسی محقق موسیو بوٹا کی کارگذاری سے جسکی ابتدا ۱۸۴۲ء میں ہوئی شروع کرکے زمانۂ حال کے حالات تک بیان کرتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے عجائب خانوں کے لاحظے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اشیاے قدیمہ کا کس قدر کثیر ذخیرہ گذشتہ ستر برس کے عرصہ میں ترتیب و انتظام کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے یہ اشیا صرف عجائب خانوں ہی میں نہیں رکھی گئیں، بلکہ اشیاء کی تصویریں اور کتبوں کی نقلیں بار بار طبع ہوکر شایقین تاریخ بابل اور اشور میں تقسیم بھی ہوتی رہی ہیں۔

ابتدائی کامیابی کی نوعیت ۱۸۴۲ء میں موسیو بوٹا موصل کے شہر میں دولت فرانس کی جانب سے کونسلر ایجنٹ مقرر ہوے اور اسی سال کے آخر میں موصل کے سامنے دجلہ کے کنارے قرنجیک کے ٹیلے پر اُنھوں نے کندن شروع کیا۔ قرنجیک کا ٹیلا بھی تل نبی یونس کی طرح نینوہ کے قدیم شہر کے ایک حصہ کو چھپائے ہوے تھا۔ ان بڑے بڑے ٹیلوں کو کہاں سے کھودا جاوے کہ گوہر مقصود حاصل ہو۔ اسکے لیے کوئی قاعدہ اور اصول موجود نہ تھا۔ وقت پر جہاں سمجھ میں آیا خندقیں کھودنی شروع کیں۔ کئی مہینے تک اسطرح کام جاری رہا مگر زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ کتبے اور پتھر کی سلوں پر ابھرے ہوے کام کی تصویریں

ملیں لیکن ان میں سالم کم تھیں۔ انکے علاوہ اور کوئی چیز دستیاب نہ ہوئی۔ اسلیے ۱۸۴۳ء کے ماہ مارچ میں موسیو بوتا نے قرنجیک کو چھوڑ کر خورس آباد کے ٹیلے پر کام شروع کیا۔ یہ ٹیلہ قرنجیک سے شمال میں تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع تھا۔ یہاں تھوڑی سی زمین کھودی تھی کہ دو دیواریں نمودار ہوگئیں۔ ان دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ پیکانی خط کے کتبے بھی دستیاب ہوے۔ اور اب شبہ نہیں رہا کہ سلطنت اشور کے زمانہ کی ایک عمارت کا پتہ چل گیا اور کام برابر جاری رکھا گیا اور قلیل عرصہ میں اس عمارت کے بہت سے کمرے جن میں پرانے وقتوں کی بہت سی چیزیں ملیں دریافت ہوگئے۔ ان اکتشافات کی شہرت جس وقت فرانس میں ہوئی تو بڑا جوش پیدا ہوا اور موسیو بوٹا کے پاس جلد بہت سا روپیہ فراہم کرکے اس غرض سے روانہ کیا گیا کہ زیادہ وسیع پیمانے پر اس کام کو جاری رکھکر خاتمہ کو پہونچادیں۔ ایک مصور موسیو فلاندن بھی فرانس سے روانہ کیے گئے کہ جو عمارتیں یا کتبے یا تصویریں ملی ہیں اُنکے نقشے اور نقلیں تیار کریں۔ غرض ۱۸۴۳ء کے ماہ اکتوبر تک اس عمارت کا جو شاہان اشور میں سے ایک بادشاہ کا محل ثابت ہوا بڑا حصہ برآمد کرلیا گیا۔ اور معلوم ہوگیا کہ اس میں کمرے اور حجرے بہت کثرت سے ہیں دیواروں پر پتھر کی سلیں نصب ہیں اور ان سلوں پر طرح طرح کی تصویریں کندہ ہیں۔ کہیں سپاہیوں کے دستے کوچ کرتے ہوے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں لشکرگاہ میں فوج والوں کی روزانہ زندگی کے واقعات کہیں گھوڑے، رتھ، خیمہ و خرگاہ، کہیں حملہ کرنے کے کرتب اور دشمن کی دیوار کے قریب پہونچکر دست بدست لڑائیوں کے معرکے دکھلائے ہیں، کسی حصین شہر کو محاصرہ کے بعد فتح کرنے اور دشمن کو گرفتار کرکے لیجانے کی تصویریں بنائی ہیں۔ شکار کی کیفیتیں بھی بڑی تفصیل سے دکھائی ہیں۔ جس میں بادشاہ اپنے رتھ میں سوار ہے اور ملازمین صفیں باندھے گرد و پیش حاضر ہیں۔ کہیں جنگلی شیر پنجروں میں بند دکھائے گئے ہیں۔ پنجرے کھول دیے گئے ہیں اور بادشاہ شیروں کا شکار کر رہا ہے۔ کہیں شکار کردہ شیروں اور جانوروں کو نوکر صف باندھے گھسیٹے لیے جاتے ہیں۔ اس کندن میں جو سب سے عجیب چیز برآمد ہوئی وہ پتھر کے بڑے بڑے بُت تھے جن کا چہرہ انسان کا سا تھا اور دھڑ بیل کا سا، اور شانوں پر بڑے بڑے پر لگے تھے۔ یہ جوڑے چھلے قدآور بُت محل کے سب سے بڑے کمرے کے دروازوں کے دونوں طرف نصب تھے۔ ان پردار بیلوں کے تمام جسم پر پیکانی خط میں عبارتیں کندہ تھیں۔ جب ان عبارتوں کو پڑھنے کی نوبت آئی تو معلوم ہوا کہ جس بادشاہ نے یہ محل بنوایا تھا اسی کے کارنامے ان

عبارتوں میں درج ہیں - یعنی شرد کن ثانی کے جس نے ۷۲۵ قبل مسیح سے ۷۰۶ قبل مسیح تک ملک اشور پر حکومت کی تھی - اشیائے قدیمہ کا یہ بڑا ذخیرہ جہاں تک ممکن ہوسکا موصل سے دجلہ کے راستہ بیڑوں پر رکھکر بصرہ میں لائے اور وہاں سے ایک فرانسیسی جنگی جہاز پر لاد کر فرانس کو لیگئے - وہاں ان چیزوں کی تصویریں جو مصور فلاندن کی تیار کی ہوئی تھیں پانچ بڑی تقطیع کی جلدوں میں چھاپی گئیں - ان تصویروں کی تعداد ۴۰۶ تھی اور سان کے ساتھ ہی موسیو بوٹا نے جو حالات ان اشیا کے لکھے وہ بھی طبع کیے گئے -

قصر شرد کن

یہ عجیب اکتشافات ایسے بیش بہا تھے کہ فرانس میں اور زیادہ شوق تحقیقات کا پیدا ہوا - اور ۱۸۵۱ء میں فرانس کی گورنمنٹ نے ایک دوسری باقاعدہ جماعت تجویز کرکے اس کام کے لیے روانہ کی - اس جماعت کا افسر وکٹر پالس ایک شخص تھا جو فن معماری میں کامل تھا اور موصل میں موسیو بوٹا کی جگہ فرانس کی جانب سے کونسلر ایجنٹ بھی مقرر کر دیا گیا تھا - اس نئی جماعت نے شمالی حصہ ملک میں کام کرنے کے بعد جنوبی حصہ میں بھی ٹیلوں کی چھان بین شروع کی - وکٹر پالس چونکہ فن تعمیر میں اُستاد تھے اسلیے زمین کھود کر عمارتوں کو برآمد کرنے میں اُنھوں نے بہت باقاعدہ کام کیا اور اس بات کو ثابت کر دیا کہ زمین میں دبی ہوئی عمارتوں کے نکالنے میں ایک لایق معمار جس عمدگی سے کام کرسکتا ہے وہ دوسرے سے ممکن نہیں - موسیو پالس نے قصر شرد کن کے بہت سے کمرے برآمد کیے اور اس قصر سے آگے بڑھکر متعدد عالیشان دروازے نکالے جن پر نہایت خوشرنگ روغنی اینٹوں کا کام تھا - طرح طرح کے بیل بوٹے اور عجیب و غریب صورت کے جانوروں کی تصویریں بنی تھیں - قصر کے متعدد صحنوں کا ملبہ جب صاف کیا گیا تو کئی چھوٹی چھوٹی عمارتیں اور نکلیں جنکی نسبت بعد کو تحقیق ہوا کہ وہ عبادت خانے ہیں - طرح طرح کے برتن، سنگین اور برنجی، اور شیشے کی بنی ہوئی چیزیں بھی کثرت سے نکلیں قسم قسم کے آہنی اوزار بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوے - بعض مکان کہیے یا گودام ایسے نکلے جہاں عمارت کے کاموں کی غرض سے روغنی اینٹیں بھری تھیں - اب وکٹر پالس نے ایک بڑی کتاب میں اپنی تمام کارگذاری کے حالات اور نتایج بیان کیے اور عمارت کو جس حد تک دیکھا اور سمجھا تھا اوسکی مدد سے پوری عمارتوں کے نقشے تیار کیے - اگر کسی عمارت کا کوئی جزو بھی دیکھا تھا تو اصول تعمیر کے مطابق عمارت کا کل نقشہ تیار کر لیا -

پس یہ دریافت ہوگیا کہ خورس آباد کے ٹیلوں میں شرد کن ثانی بادشاہ اشور کا ایک شہر جسکے چاروں طرف شہر پناہ اور برج تھے دبا پڑا ہے اور جس کا نام اصلی زبان میں مدشرد کن یعنی شرد کن بادشاہ کا قلعہ یا شہر تھا -

شہر کے چاروں طرف فصیل تھی اور شہر پناہ کے آٹھ دروازے تھے اور کل رقبہ جسپر یہ شہر واقع تھا ۷۵۰ ایکڑ تھا۔ بیچ کی عمارت شاہی قصر تھا۔ دیواروں کا جو رُخ باہر کا تھا وہ پتھر کا تھا۔ کہیں کہیں فرشوں میں بھی پتھر استعمال کیا گیا تھا۔ باقی عمارتیں سب کچی اور پکی اینٹ کی تھیں۔ ایسی ہی اینٹوں سے اشور اور بابل کے مکانات بالعموم بنائے جاتے تھے۔

وکٹر پالس نے اور ٹیلوں پر بھی کام جاری کیا جو موصل سے دور نہ تھے۔ مثلاً قلعۂ شرغنۃ کے ٹیلہ پر جہاں پہلے اشور کا مشہور و معروف شہر تھا اور تل نمرود پر جہاں سلطنت اشور کا شہر کلح (قلح) واقع تھا۔ ان ٹیلوں کے علاوہ اور ٹیلوں کا بھی امتحان کیا گیا۔ لیکن ان سب میں وہ کامیابی جو موسیو بوٹا کو خورس آباد کے ٹیلوں کو کھودنے میں حاصل رہی تھی میسر نہ ہوئی۔ افسوس ہے کہ وکٹر پالس نے جو اشیاے قدیمہ فرانس بھیجنے کے لیے جمع کی تھیں وہ سب تلف ہوگئیں کیونکہ جن کشتیوں پر یہ سامان بھر کر روانہ کیا جاتا تھا وہ سب غرق ہوگئیں۔ مگر ان اشیاء کی جو تصویریں اور نقشے اُتار لیے گئے تھے وہ بچگئے۔ اور اس لیے علم کو زیادہ نقصان نہ پہونچا۔

ایک انگریزی محقق اسی زمانہ میں فرانسیسیوں کی ایک جماعت جس کا افسر موسیو فرینل تھا جنوبی حصہ ملک میں ایک ٹیلہ پر کام کر رہی تھی۔ یہ ٹیلہ اُن متعدد ٹیلوں میں سے ایک تھا جسکے نیچے شہر بابل دبا ہوا تھا۔ یہاں ۱۸۵۵ء تک کام جاری رہا۔ لیکن پیشتر اس سے کہ بابل والے ٹیلوں کا حال لکھا جاوے ایک انگریزی محقق کی کارگزاری کو لکھنا ہوگا۔ یہ انگلستان کا مشہور متجسس جس نے موسیو بوٹا، فلانڈن اور پالس سے بھی زیادہ شہرت حاصل کی، اپنا کام اُس زمانہ میں کر رہا تھا جبکہ وکٹر پالس خورس آباد کے ٹیلوں میں مصروف تھا۔ یہ شخص آسٹن ہنری لے یرڈ تھا۔ سر کا خطاب اس وجہ سے ملا تھا کہ امور سیاسی اور آثار قدیمہ کے متعلق اُنکی خدمات نہایت قابلِ قدر تھیں۔ بلادِ شرق میں مدت کے سیر و سفر کے بعد ۱۸۴۰ء میں موصل کے قریب کے ٹیلے انکی نظر سے گذرے اور دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ کاش یہ ٹیلے ایک دن کھودے جائیں۔ ۱۸۴۵ء کے اخیر حصہ میں جبکہ سر سٹریٹ فورڈ کیننگ قسطنطنیہ میں برٹش سفیر تھے لیرڈ صاحب کو اس کام کے لیے کچھ روپیہ دیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے تل نمرود پر کام جاری کردیا۔ یہ ٹیلہ اسلیے پسند کیا کہ وہ موصل سے کسی قدر فاصلہ پر ہے اور وہاں کام چپ چاپ چلتا رہے گا۔ لوگوں میں زیادہ چرچا نہ ہوگا۔ سرمایہ اسقدر قلیل تھا کہ زیادہ تحقیقات کی امید نہ کیجا سکتی تھی۔ یہ سمجھا گیا تھا کہ کام

شروع کرنے سے شاید اتنا ضرور معلوم ہو جائے کہ اس ٹیلہ کے نیچے پرانے آثار اور اشیاء موجود ہیں یا نہیں۔ اگر اتنا پتہ بھی چل گیا تو پھر شوق میں زیادتی ہو جاویگی اور اگر زیادہ روپیہ مل گیا اور روپیہ کے ساتھ ترکی گورنمنٹ نے کندن کا فرمان بھی دیدیا تو تحقیقات وسیع پیمانہ پر ہو سکے گی۔ لیکن اتفاق یہ کہ جس دن کام شروع کیا گیا اُسی دن ایک عمارت کے دو کمرے نکلے۔ جن کی دیواریں پتھر کی سلوں سے منڈھی ہوئی تھیں۔ ایک کمرہ ٹیلہ کے جنوب مغربی گوشہ میں اور دوسرا مغربی پہلو کے وسط میں واقع تھا۔ یہ کمرے ایک عمارت کے نہ تھے بلکہ دو جدا جدا عمارتوں کے تھے اور یہ دونوں عمارتیں بعد کو ثابت ہوا کہ بادشاہوں کے محل تھے۔ لے یرڈ صاحب کی ہمت بڑھی اور رفتہ رفتہ مزدوروں کی تعداد بڑھانے لگے۔ مشکلات بہت سی پیش آئیں۔ ادھر سرمایہ کی کمی اور ادھر پاشاے موصل کا اختلاف لیکن بہرحال کام بند نہ کیا۔ اسی اثنا میں برٹش میوزیم کے حکام نے لے یرڈ صاحب کی مدد کے واسطے کچھ اور روپیہ بھیجنا منظور کیا اور وہ اس قابل ہو گئے کہ ۱۸۴۵ء کے موسم گرما تک نہایت محنت جانفشانی سے اس کام کو چلالیں۔ اس عرصہ میں اُنھوں نے نہ صرف بہت سے کمرے پانچ شاہی محلوں کے تل نمرود سے کھود کر نکالے۔ بلکہ موصل کے سامنے جو ٹیلا قرنجیک کے نام سے تھا اُسکے کندن میں بھی بڑی کامیابی حاصل کی۔ کیونکہ یہاں بادشاہ اشور سنحریب (۷۰۵-۶۶۱ ق م) کا ایک عالیشان محل مل گیا۔

جدید اکتشافات

تل نمرود سے خاص کوشش کے ساتھ اس محل کو برآمد کیا گیا۔ جو ٹیلے کے شمال مغربی حصہ میں تھا اور جو بادشاہ اشور نسرپال (۸۸۳-۸۵۹ ق م) اور شرد کن ثانی (۸۰۶-۷۲۱ ق م) کا بنایا ہوا تھا۔ خورس آباد کی طرح تل نمرود کے محلوں میں بھی اور بعد کو قرنجیک سے برآمد کردہ عمارتوں میں ایسے کمرے اور طاق بکثرت نکلے جنکی دیواریں تصاویر سے اَٹی تھیں۔ علاوہ اسکے پردار شیروں اور پردار بیلوں کے بلند قوی ہیکل بُت جن کے چہرے انسان کے سے تھے کمروں کے دروازوں کے دو طرفہ ملے۔ تصویروں میں وہی گوناگونی تھی جو خورس آباد کی تصویروں میں پائی گئی تھی۔ بادشاہ اشور نسرپال کے محل میں جو تل نمرود سے برآمد ہوا اور جسکا پرانا نام کلح (قلح) تھا بادشاہ مذکور نے اپنے شاہی مصوروں سے ان لڑائیوں کی تصویریں کھنچوائی تھیں جو خاص اُسکے عہد کے محاربات تھے۔ بعض تصویروں میں دکھایا گیا تھا کہ افواجِ شاہی ایک دریا کو عبور کرتی ہیں لیکن دشمن سے دست وگریبان ہیں کہیں فتح پاکر خوش خوش وطن کو واپس آرہی ہیں۔ ایک بڑے سلسلۂ تصاویر میں بادشاہ کے شکار کھیلنے

سب کے واقعات دکھائے گئے ہیں۔ ٹیلے کے بیچ میں سلمانسر سوم (۸۵۸-۸۲۴ ق م) اور تگلات پلیسر چہارم (۷۴۵-۷۲۷ ق م) شاہانِ اشور کا تعمیر کردہ محل نکلا۔ اور اسی محل سے ایک یادگار پتھر نکلا جو اب تک برٹش میوزیم میں محفوظ ہے اور بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔ یہ پتھر ایک چوپہل مخروطی شکل کا نہایت سخت اور سیاہ رنگت کا ستون ہے۔ ہر رخ پر پانچ پانچ قطاریں تصویروں کی ہیں اور تصویروں سے جو جگہ خالی رہی ہے اس میں نہایت باریک پیکانی خط میں عبارت لکھی ہے۔ اس ستون پر بادشاہ سلمانسر سوم نے اپنی ہی دکیالہ حکومت کے واقعات درج کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہِ مذکور نے یہ سمجھکر کہ اب میرا آخری وقت آ پہونچا ہے، مرنے سے کچھ پہلے اس ستون کو تیار کرایا تھا اسکی تصویروں میں دکھایا گیا ہے کہ بادشاہ اُن قوموں سے جن کو فتح کیا ہے خراج لے رہا ہے۔ ہر رخ کی پانچوں تصویریں قطاروں میں قوموں کے جدا جدا گروہ دکھائے گئے ہیں اور اُنکے جدا جدا نام ہر تصویر پر لکھے ہیں۔

انیٹوں کا کتبخانہ جب زمانہ قدیم کی ان نشانیوں کا بڑا حصہ جس میں پردار بُت بھی شامل تھے برٹش میوزیم میں پہونچا تو اشوری اکتشافات میں اہل انگلستان کو بیحد دلچسپی ہو گئی اور یہ شوق اس وجہ سے اور بڑھا کہ لے یرڈ صاحب نے نہایت دل آویز پیرایہ میں ان تمام یادگاروں اور نشانیوں کا احوال تحریر کیا۔ یہ سچ ہے کہ وہ پیکانی خط کی عبارتیں سمجھ نہ سکتے تھے، لیکن پھر بھی کچھ اپنی ذہانت سے اور کچھ اُن کتبوں سے جن کے مطالب سمجھ لیے گئے تھے اور کچھ اُن ناموں سے جو سر ہنری رالنسن صاحب نے پیکانی عبارتوں سے محلوں کے تعمیر کرنے والے بادشاہوں کے پڑھ لیے تھے لے یرڈ صاحب نے کسی قدر تاریخی حالات اپنی برآمد کردہ اشیا کے متعلق لکھ ڈالے۔ بہت سے کتبوں اور یادگاروں کے پتھر جن کا انگلستان لیجانا سخت دشوار تھا اُنکی تصویریں اور نقلیں لیکر پھر اُنکو وہیں دفن کر دیا۔ اور اُن تصویروں اور نقلوں کو چھپوا کر طلبائے تاریخ اشور کے سامنے اس بیش بہا علمی ذخیرہ کو پیش کر دیا۔ لے یرڈ صاحب کی اس محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان میں آثار قدیمہ کے متعلق شوق کو زیادتی ہوئی اور ایک دوسری جماعت جس کے پاس سرمایہ بہت وافر تھا لے یرڈ صاحب کے پاس بھیجی گئی۔ اس جماعت اور سرمایہ کی مدد سے وہ ۱۸۴۹ء سے لیکر ۱۸۵۱ء تک نمرود اور قوینجیک کے ٹیلوں کے کنڈن میں مصروف رہے۔ اس سے پہلے اُنھوں نے ایک دیسی عیسائی ہرمزد رسم کو جن کا بھائی دولت برطانیہ کی طرف سے موصل میں وائس کونسل تھا اس کام میں شریک کر لیا تھا۔ ہرمزد رسم جنھوں نے خود اپنی کوشش سے اس فن میں بڑا نام پیدا کیا

اس دوسری جماعت کے ساتھ کام میں شریک ہوئے اور ۱۸۵۲ء کے بعد جبکہ لے یرڈ صاحب وطن چلے گئے تو ۱۸۵۲ء تک ہرمزد رسم ہی نے کام کو جاری رکھا - اس دوسری پارٹی کے ساتھ ایک بڑا ہوشیار مصور ایف کوپر بھی تھا، تاکہ ایسی چیزوں کی جو اپنی جگہ سے ہٹائی نہ جاسکیں تصویریں تیار کرتا رہے - ایک ہی وقت میں قوینجیک اور نمرود کے ٹیلوں پر کام شروع کیا گیا - اس مرتبہ قوینجیک کے ٹیلے سے بڑی بڑی چیزیں دریافت ہوئیں - بادشاہ اشور سنحریب کا محل پورا دریافت کر لیا گیا اور اس میں صدہا سلیں جن پر بادشاہی محاربات اور شکار کی تصویریں کندہ تھیں دستیاب ہوئیں - اسکے علاوہ ایک اور بڑا عالیشان اور وسیع محل شاہان اشور میں سب سے نامور بادشاہ اسورنیابال (۶۶۸ - ۶۲۶ ق م) کا دریافت ہوا - یہ وہی اشوری بادشاہ ہے جسکا نام یونانی میں بگڑ کر سرداناپالن ہوگیا - اور جسکو کتاب مقدس کے عہد عتیق میں اسنا پیہ (عذرا - ۴ - ۱۰) لکھا ہے - علاوہ معمولی سلوں کے جن پر تصویریں تھیں اور بڑے بڑے دالانوں یا کمروں کے جن میں نقشیں اسطوانے شامل تھے اور جن پر بادشاہ کی لڑائیوں کا حال تحریر تھا لے یرڈ صاحب کو اس محل میں دو بڑے کمرے ملے جنمیں ہزارہا مٹی کی تختیاں چنی تھیں - بعد کو ثابت ہوا کہ یہ بادشاہ اسورنیابال کا کتبخانہ تھا اور یہ مٹی کی تختیاں دراصل کتابیں ہیں جن پر مضامین کندہ ہیں - اور دریافت ہوا کہ اس جلیل القدر بادشاہ نے نہ صرف سلطنت اشور کی پرانی تحریرات، مکتوبات اور کیفیات کو بلکہ بابل کی بھی جملہ تصنیفات کو جس قدر دستیاب ہوسکیں اپنے کتبخانہ میں جمع کیا تھا - ان تختیوں کے نکلنے کے بعد کھدائی جاری رہنے پر اور کئی تختیاں بھی برآمد ہوتی رہیں - یہاں تک کہ ان سب کی تعداد قریب تیس ہزار کے ہوگئی - یہ سب تختیاں برٹش میوزیم میں موجود ہیں - اور عجائب خانہ مذکور کا سب سے بیش بہا خزانہ ہیں - بابل کے ادبیات کی نسبت جو کچھ علم اس وقت ہے وہ ان ہی تختیوں کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے - کیونکہ ان میں زیادہ تر تختیاں ایسی ہیں جنکی عبارتوں سے دریافت ہوتا ہے کہ بادشاہی نقل نویسوں نے انکو اصل عبارتوں سے نقل کیا ہے اور اصلی عبارتوں کی تختیاں جنوبی حصہ ملک بابل کے بڑے مقامات میں خاصکر شہر بابل اور بورسیا میں جو مشہور عبادتخانے تھے اُنکے کتبخانوں میں موجود تھیں - ادبیات کی سب سے بڑی شاخ جو اس کتبخانے سے دریافت ہوئی وہ کہانت سے متعلق تھی - اس فن کے بڑے ماہر بابل کے پیشوایان مذہب تھے - کہانت کی کتابوں میں وہ تحریریں بھی تھیں جن میں قربانی کی بھیڑوں کو ذبح کر کے اُنکی کلیجی کو دیکھکر سعد و نحس کا شگون معلوم کرنے کے طریقے درج تھے - نجوم کے متعلق بہت سی تختیاں تھیں - بہت ہی تصنیفات اس مضمون کی تھیں

کہ بچہ کی پیدائش کے وقت کن باتوں سے بدشگونی اور کن سے نیک شگونی سمجھی جا سکتی ہے۔ تعبیر خواب اور طرح طرح کے فال نامے بھی تھے کہ کن کن واقعات سے خواہ دریا پر پیش آئیں خواہ زمین پر شہروں یا شہر کی گلیوں اور گھروں میں پیش آئیں کیا کیا فالیں نکلتی ہیں۔ دوسرا بڑا حصہ ادبی تصنیفات کا عبادت کے متعلق تھا۔ ان میں شریعت وقت کے تمام قواعد و اصول اور رسوم بھی بیان ہوئے ہیں۔ ایسے ٹوٹکے اور نسخے بھی لکھے ہیں جن سے بیماری کے بھوت پریت دور ہو جاویں۔ یا کسی پر سحر یا طلسم کا اثر ہو تو وہ رفع ہو جاوے۔ عبادات کے متعلق جو مضامین ہیں اُن میں طب شامل ہے۔ البتہ جو امور مذہبی معتقدات سے تعلق رکھتے ہیں اُنکو علیحدہ رکھا گیا ہے۔ بعض میں محض مناجات، توبہ و استغفار کے مضامین ہیں۔ قصص اور حکایات کی بہت سی تختیاں ہیں جن میں دنیا کے پیدا ہونے کی کہانیاں درج ہیں اور ملک کے مشہور نامور (ہیرو) گلگمش کے واقعات پر نظمیں لکھی ہیں۔ اور ہر قصہ و داستان میں اسی نامور کے کسی نہ کسی عجیب کام کا ذکر آ جاتا ہے۔ کچھ حصہ اس ذخیرہ کا درسی کتابیں ہیں۔ ان میں بہت سی کتابیں بابل کی تصنیفات سے ہیں جن میں اشور کے کاتبوں نے اپنی طرف سے بھی کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ ان درسی کتابوں میں بڑی بڑی فہرستیں علامتوں کی ہیں کہ فلاں علامت سے فلاں بات پیدا ہوتی ہے۔ یہ مذہب پیشہ لوگوں کے پڑھنے کے لیے مرتب ہوئی تھیں۔ بعض تصانیف میں صرف و نحو کے قواعد مع مثالوں کے بیان ہوئے ہیں۔ بعض میں وہ اصطلاحات اور جملے بیان ہوئے ہیں جو قانونی یا تجارتی تحریرات میں استعمال ہوتے ہیں۔ بعض کتابیں محض شرح کے طور پر ہیں اور بعض مدارس میں پڑھائے جانے کے لیے تختیوں پر لکھی ہیں۔ اگرچہ اس کتبخانہ کی تختیوں کی اہمیت کو لے یرڈ صاحب فوراً سمجھ گئے، لیکن جبتک سر ہنری رالنسن اور ایڈون نورس صاحبان اور جارج اسمتھ صاحب نے جو برٹش میوزیم میں اسسٹنٹ کا عہدہ رکھتے تھے ان تختیوں کو قسم وار ترتیب دیکر عبارتوں کو طبع نہیں کیا اور جب تک ان عبارتوں کے مطالب سمجھ نہیں لیے گئے اصلی حال اس ذخیرہ کی اہمیت کا کسی پر نہ کھلا۔ آج بھی گو اس کتبخانہ کو دریافت ہوئے ساٹھ برس ہو چکے ہیں، لیکن اُسکی بہت سی تختیاں پڑھنے اور سمجھنے کے لیے باقی ہیں۔

عروج اشور کی تاریخ

سر آگسٹس لے یرڈ صاحب کے خاص خاص اکتشافات نمرود کے متعلق یہ تھے۔ ایک مینار زمین سے کھود کر برآمد کیا گیا۔ دو عبادت خانے زمین کھود کر ظاہر کیے گئے۔ یہ عبادت خانے اشر نسر پال سوم (۸۸۳ - ۸۵۹ ق م) کے تعمیر کردہ تھے۔ یہ کچی اینٹوں کے تھے جن پر استرکاری تھی۔

دونوں عبادت خانوں میں مٹی کے بت اور پتھر کی سلیں جن پر تصویریں کھدی تھیں اور سنگین لوحیں جن پر عبارتیں کندہ تھیں دریافت ہوئیں - ان میں ایک سنگین لوح قریب ۲۲ فٹ کے طول میں تھی اور اس پر نہایت باریک پیکانی حروف میں عبارت لکھی تھی - اس لوح سے اور ایک سنگین ستون سے جو ایک دوسرے عبادت خانہ سے نکلا بادشاہ اسورنسر بال کے حالات تام و کمال معلوم ہو گئے - یعنی جس زمانہ میں یہ بادشاہ گذرا ہے اُسکے تاریخی حالات پر پورا عبور ہو گیا - ایک تہخانے میں ایک بڑا مجسمہ اُس بادشاہ کا ملا- اس بُت خانے میں لے یرڈ صاحب نے کندن برابر جاری رکھا - اور جب دوسری جماعت نے کام شروع کیا تو بہت سی چیزیں تانبے اور پیتل کی مثلاً خود و سپر، تلواریں اور خنجر، بارہ بڑی بڑی دیگیں دستیاب ہوئیں- جن میں چھوٹے چھوٹے برتن اور اور طرح طرح کی چیزیں بھری تھیں، مثلاً لوہے کے بہت سے اوزار، ہتوڑیاں آریاں، برچھیاں، پیتل کی نقشیں رکابیاں اور اسی طرح کی اور چیزیں ملیں - اشیاء کے علاوہ مکتوبی سرمایہ میں بھی ان عبارتوں کی وجہ سے جو مورتوں، تصویروں، اور لوحوں، اسطوانوں اور تختیوں پر پڑھی گئیں بہت کچھ اضافہ ہو گیا - ان عبارتوں کے پڑھنے سے نینوہ دارالحکومت اشور کی بربادی سے (جو ۶۰۶ قبل مسیح میں پیش آئی تھی) تین سو برس پہلے کے واقعات بہت کچھ معلوم ہو گئے - اور یہی تین سو برس کا زمانہ سلطنت اشور کے اقبال اور عروج کا تھا -

۱۸۵۱ء میں سّو سے زیادہ صندوق ان پُرانی چیزوں سے بھر کر انگلستان روانہ کیے گئے - اور وہ برٹش میوزیم میں صحیح سلامت پہونچ گئے - لے یرڈ صاحب نے بابل اور نینوہ کے اکتشافات پر پھر ایک کتاب لکھی - اور تمام برآمد کردہ اشیا کا حال بہت خوبی سے لکھا - پہلی کتاب میں جو تصاویر چھاپی تھیں اُنکے علاوہ کوپر صاحب کے بنائے ہوے نقشوں کی نقلیں بھی شامل کر دیں - اس زمانہ میں پیکانی خط کے پڑھنے میں بہت کچھ کامیابی ہو چکی تھی - سر ہنری رالنسن اور ایڈورڈ ہنکس نے جس حد تک اس فن کو معلوم کر لیا تھا اُسکی مدد سے لے یرڈ صاحب نے کسی قدر تاریخی حالات بھی اُن اشیا کے جو کتبوں سے اسوقت تک سمجھنے ممکن ہوے تحریر کیے - اور چونکہ تل نمرود اور قرنجیک سے شاہی محل خود برآمد کیے تھے اسلیے اسکے بنانے والوں کی مختصر کیفیت کہ وہ کون تھے اور آپس میں کیا رشتہ رکھتے تھے بیان کی - اور یہ بھی تحریر کیا کہ کسی محل کا ایک حصہ جو ایک بادشاہ نے تعمیر کیا تھا اُسکے شکستہ ہونے پر اُسکے جانشینوں میں سے کس نے اُسکی مرمت کرائی یا اُس میں اضافہ کیا - اور بعض محلوں میں جو مال مصالح لگایا گیا تھا اُس کو

اکھیڑ کر کسی دوسرے محل کی دیواروں یا پشتوں میں کیونکر استعمال کیا گیا۔

قدیم تر آثار | انگلستان کی کسی دوسری جماعت نے جو دو برس قائم رہی بڑے بڑے کام کیے۔ بہت سے ٹیلوں کو جو شمالی اور جنوبی حصۂ ملک میں تھے پرانی چیزوں کی تلاش میں تھوڑا تھوڑا کھودا گیا اور یہ بات طے ہوگئی کہ جو شہر ان ٹیلوں کے نیچے دبے ہیں وہ بہت ہی پرانے ہیں۔ بعض مقامات پر جیسے کہ قلعہ سرجہ جو دراصل قدیم شہر اشور کا مقام ہے یا عربان اور شریف خاں کے مقامات پر نہایت عجیب اشیا اور کتبے دریافت ہوئے۔ جنوب میں نفر (قدیم نام نپور) کے مقام پر لے یرڈ صاحب نے جو کچھ کام کیا تھا اُس سے تیس برس بعد امریکانی محققوں کو ایسے آثار مل گئے کہ ان کو ان ٹیلوں کے کھودنے میں بہت زیادہ کامیابی ہوئی۔

تین پُرانے شہر | اس وقت تک کندن زیادہ تر پُرانے ملک اشور کی زمین پر ہوا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین بڑے پُرانے شہر دریافت ہوگئے۔ ان میں ایک قلعہ سرجہ کے موقعہ پر اشور کا شہر تھا جو ملک اشور کا پہلا دارالحکومت تھا۔ دوسرا کلح (قلح) تل نمرود کے نیچے سے نکلا۔ اس شہر کو سلمانسر اول نے ۱۳۰۰ سال قبل مسیح تعمیر کرایا تھا اور جس کو بادشاہ اسورنسربال (۸۸۳ - ۸۵۹ ق م) نے اپنا دارالحکومت بنایا۔ تیسرا شہر نینوا تھا جو تل قوینجک کے نیچے نکلا۔ یہ شہر بادشاہ اسوربل کلح (۱۱۰۰ ق م) کے عہد میں پایۂ تخت قرار پایا جبکہ سلمانسر سوم (۸۸۵-۸۲۴ ق م) تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہی رتبہ اس شہر کو سلطنت اشور کے برباد ہونے تک جس کا زمانہ ۶۰۶ قبل مسیح ہے حاصل رہا۔ ان تین شہروں کے ساتھ درشرکن کا شہر بھی خورسی باد کے مقام پر دریافت ہوا جس کا بانی بادشاہ شرکن ثانی (۷۲۲ - ۷۰۶ قبل مسیح) ہوا۔ یہ شہر نینوہ کے مضافات سے تھا۔ ان شہروں کے علاوہ ملک اشور کے اور بہت سے پُرانے شہروں کے موقعہ کی شناخت کی گئی۔ اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ ان موقعوں کے نیچے اشیاءِ قدیم کے دفینے موجود ہیں اور اس کی ضرورت ہے کہ اس کا باقاعدہ کندن کیا جائے۔

لافٹس صاحب کا کام | اب جنوبی حصۂ ملک کے ٹیلوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ قدیم شہر بابل کو زمین سے برآمد کرنے کا کام ایک انگلش مین ولیم کنیٹ لوفٹس کو حاصل ہوا۔ اس کام کو انھوں نے جاری کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ایک بڑی چیز اُن کی کوشش سے ظاہر ہوگئی۔ اُنھوں نے ۱۸۵۰ء میں پہلی بار اور ۱۸۵۳ء ۱۸۵۴ء میں بار ثانی کچھ وقت مقام ورقہ کے قریب کے ٹیلوں کے کھودنے

میں صرف کیا اور ثابت ہوا کہ ان ٹیلوں میں آیورک یا ایرک ایک پرانا شہر دبا پڑا ہے۔ ورقہ کا موجودہ نام بھی یورک یا یورق کی ایک صورت ہے۔ یہ شہر سیاسی اور مذہبی معاملات میں وادی فرات کے مشہور ترین مقامات سے تھا۔ پہلے شہر کا وہ حصہ نمودار ہوا جو اخیر زمانہ میں بنا تھا۔ اس میں کشتی نما تابوت ملے جن پر روغن تھا۔ یہ تابوت شاہانِ عجم کے عہد کے ثابت ہوے۔ یعنی پانچویں یا چوتھی صدی پیشین مسیح کے۔ اس زمانے میں یورک کا شہر گو موجود تھا مگر اُس کی وہ پہلی شان باقی نہ تھی۔ چونکہ اس شہر کی عظمت مدت ہاے دراز سے لوگوں کے دلوں میں چلی آتی تھی۔ اس لیے دُور دُور کے مردے وہیں لا کر دفن کیے جاتے تھے۔ لافٹس صاحب جب زمین کھودتے کھودتے نیچے کی تہوں پر پہونچے تو ایک عالیشان عبادت خانہ کے آثار نظر آئے۔ جس کے متعلق ایک منار بھی جسکو قدیم بابلی زبان میں زکوران کہتے تھے ملا۔ اس منار کے آثار بھی اسی وضع کے تھے جس وضع کے دوسرے منارے عبادت خانوں کے متعلق دریافت ہوے تھے۔ ان ہی ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے کے نیچے ایک عمارت ملی جو کسی بادشاہ کا محل معلوم ہوتی تھی۔ اسکے در و دیوار پر روغنی اینٹوں سے گلکاری کی گئی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ بابل کے دو مشہور قدیم اور جدید عہدوں میں سے یہ عہد جدید کا کام ہے۔ اس عمارت میں جو کتبے ملے خاص کر وہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی تختیاں جن پر کاروباری مضامیں کندہ تھے اُن سے ظاہر ہوا کہ یورک کا شہر جدید بابلی خاندان شاہی کے زوال کے وقت جس کو بادشاہ عجم کیرش یا خورس نے ۵۴۹ قبل مسیح میں معزول کر دیا موجود تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ورقہ میں لافٹس صاحب کے آنے سے ۶۰ برس کے بعد اسی پہلے بابلی ٹیلے پر بلکہ بعض منتشر ٹیلوں پر کیونکہ یہاں بہت سے ٹیلے ایک دوسرے سے علٰحدہ نظر آتے ہیں۔ زمانۂ حال میں یعنی نومبر ۱۹۱۲ء میں جرمن اورینٹل سوسائٹی نے نہایت اہتمام سے کندن شروع کیا جس کی وجہ سے "ای انا" کے معبد کے تفصیلی حالات معلوم ہوے۔ "ای انا" کے معنی فردوسی مکان کے ہیں۔ اور یہ عمارت نانا یا اشتر کی پرستش کے لیے بنائی گئی تھی۔ ان خداؤں کی پرستش کے بارے میں یورک کا پورانا شہر مشہور و معروف تھا۔

(از انسٹی ٹیوٹ۔ علی گڈھ)

محمد عنایت اللہ بی اے

میسوپوٹامیہ

(ارضِ نہرین یا جزیرہ)

۲

تل سنقریہ بابل - نفر - تل صفر اور چند اور ٹیلوں میں تھوڑے تھوڑے کندن کے بعد لافٹس صاحب نے کچھ زمانہ تل سنقریہ کے کھودنے میں صرف کیا - یہ ٹیلا ورقہ سے ۱۵ میل جنوب میں واقع ہے - سن قریہ میں تھوڑی سی کھُدائی کے بعد ایک معبد اور منار کے نشانات ملے - اور اس میں مختلف مضامین کے کتبے دستیاب ہوے - کہیں مٹی کے اسطوانے یا نلوے پیپے کی شکل کے نکلے جن پر تاریخی واقعات لکھے تھے - اور کہیں ایسی اینٹیں نکلیں جو عمارتوں میں لگائی گئیں تھیں اور جن پر عبارات نقش تھیں - بہت سی گلی تختیاں جن پر کاروبار کے معاملات تحریر تھے یا جو بطور قانونی تمسکات یا دستاویزات کے تھیں برآمد ہوئیں - ان سب کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ معبد اور منارہ نہایت درجہ قدیم زمانے کے ہیں - سن قریہ کا شہر ایک پُرانے شہر کے ڈھیر پر آباد ہوا ہے - اس پرانے شہر کا نام لارسا تھا جس کو توریت میں اللسر (کتاب پیدایش ۱۴-۱) لکھا ہے - یہ شہر یعنی لارسا خدا سے شمس کا پرستش گاہ تھا - اور شمس کا ہیکل اور شمس کا منارہ اس شہر میں بابل کے تمام تاریخی عہد میں بڑے زیارت گاہ مانے گئے تھے - سن قریہ سے جنوب میں تل صفر کے مقام پر گولافٹس صاحب نے کندن تھوڑی مدت تک جاری رکھا مگر کثرت سے کندہ تختیاں اور مختلف قسم کی برنجی اور آہنی اشیاء جیسے کلہاڑیاں - کٹاریں - چاقو - دیگچیاں - دیگیں - اور آئینے نکلے - یہ سب چیزیں انگلستان روانہ کردی گئیں - تاکہ برٹش میوزیم ان عجائبات سے اور بھی مالا مال ہوجائے -

تل قصر جس زمانہ میں کہ دوسری فرانسیسی جماعت نے موسیو بوٹا کے کام کو خورس آباد اور قریب میں جاری کر رکھا تھا - گورنمنٹ فرانس نے موسیو فرزنل کو مقرر کیا کہ قدیم شہر بابل کے موقع پر جو کندن شروع ہونے والا تھا اُس کی نگرانی کریں - موسیو فرزنل کے ہمراہ موسیو اوپرٹ ایک نوجوان روشن خیال شائق علم بھی تھا - جس کی قسمت میں یہ بزرگی لکھی ہوئی تھی کہ وہ بہت جلد تاریخ اشور کی

تحقیقات میں درجۂ کمال کو پہونچ جائے۔ اوپرٹ کے ہمرکاب فلکس ٹامس معمار تھا۔ جس کا یہ کام تھا کہ عمارتوں کی وضع اور ساخت پر غور کرتا رہے۔ اور کندن کے متعلق جس قدر تصویرکشی کا کام ہو وہ اُس کے قلم کا ہو۔ جولائی ۱۸۵۲ء کے وسط میں ایک بڑے ٹیلے پر کام شروع کیا گیا۔ اس ٹیلے کا نام تل قصر تھا۔ تل قصر کے کام کو بڑھاتے بڑھاتے دو اور ٹیلوں تک پہونچا دیا۔ جن کا نام بابل اور عمران بن علی تھا۔ یہ ٹیلے بھی اُسی سلسلے میں تھے جس کے نیچے قدیم شہر بابل دفن تھا۔ یہاں بہت سی مٹی کی مُہریں بیلن کی قطع کی ملیں۔ ان پر بادشاہ بابل، نبوکدنسر ثانی (۶۰۴ - ۵۶۱ ق م) کا نام لکھا تھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ تل قصر کے نیچے جو عمارت دبی ہے وہ اسی بادشاہ کا محل یا قصر ہے۔ روغنی اینٹیں جن پر طرح طرح کے بیل بوٹے اور جانوروں کی تصویریں بنی تھیں نکلیں۔ لیکن کوئی چیز ایسی نہ نکلی جس کا مقابلہ دلچسپی اور شہرت انگیزی کے اعتبار سے اُن انکشافات سے کیا جا سکتا جو اسی زمانے میں موسیو بالس اور سرلےرڈ شمالی ٹیلوں کے متعلق دُنیا پر روشن کر رہے تھے۔ فرزنل اور اوپرٹ جن ٹیلوں پر کام کرتے تھے اُن کے نتیجے بھی کچھ بہت حیرت خیز نہ تھے۔ بابل کے متعلق ارضی معلومات میں کچھ اضافہ ضرور ہوا گو بعض مسائل جو اوپرٹ نے حل کیے وہ بعد کو صحیح نہ ٹھیر سکے۔ اسی فرانسیسی جماعت نے بابل کے قریب اور ٹیلوں پر مثلاً برس نمرود جو قدیم شہر بورسیا کا موقع تھا یا الاحمر پر جس کے نیچے شہر کِش دبا پڑا تھا۔ ان ٹیلوں پر کچھ ایسی بُری گھڑی کام شروع ہوا کہ دو برس کی محنت میں جسقدر پُرانی چیزیں جمع ہوئی تھیں وہ سب دریا کے رستے بصرہ تک پہونچنے میں بیڑے ڈوب جانے سے تلف ہو گئیں۔

حضرتِ ابراہیم کے سفر کا مقامِ آغاز جی اے ٹیلر ایک انگلشمین جو بصرہ میں نائب کونسل تھے مقیّر کے ٹیلے کے کھودنے میں بہت کامیاب رہے ہے۔ یہ ٹیلا بابل سے بہت جنوب میں ہے اور ثابت ہوا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں پہلے اُر کا مشہور شہر تھا۔ توریت کے بموجب اسی شہر سے حضرت ابراہیم کا وہ سفر شروع ہوا تھا جس نے آخر الامر ان کو فلسطین پہونچا دیا۔ ورقہ کے ٹیلوں میں جو کھنڈر نکلے اُن کے آثار بہت چوڑے تھے اور بعض جگہ دیواروں کے سر ٹیلوں کے اوپر نکلے ہوئے تھے۔ برس نمرود اور عقرقوف کے ٹیلوں میں بھی پُرانے مناروں کے حصّے اوپر نکلے ہوئے نظر آتے تھے۔ لیکن مقیّر میں ٹیلے زیادہ اونچے نہ تھے۔ اس لیے کندن میں بھی آسانی ہوئی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک بڑی عمارت کے

نشان پاکر ٹیلر صاحب اُس کے اندرونی حصوں تک پہونچ گئے ۔ اور معلوم ہوا کہ یہ عمارت ایک عبادت خانہ ہے ۔ جہاں سِن کی پرستش ہوتی تھی ۔ سِن سے مراد قمر ہے ۔ اور اُر کا شہر قمر پرستی کیلئے قدامت سے مشہور تھا ۔ ٹیلر صاحب اس عمارت کی تفصیل کو پہلے ہی سے خوب سمجھ گئے ۔ اور جہاں کسی دیوار کا کوئی پہلو دکھائی دیا فوراً اُن کی سمجھ میں آگیا کہ یہ دیوار کس رُخ گئی ہوگی ۔ چنانچہ اُسی سمت میں کھود کر آسانی سے عمارت کے حصوں کو برآمد کر لیا ۔ اس عبادت خانے میں سب سے زیادہ مخصوص چیز زگورات یعنی منارے کی عمارت تھی ۔ اس منارہ کے دو درجوں کا جو ایک کے اوپر ایک واقع تھے پتہ چل گیا ۔ اور پہلی منزل کے ایک گوشے میں ایک مٹی کا اسطوانہ یا خول بالکل صحیح حالت میں ملا ۔ اور اسی اسطوانے کے تین نسخے باقی تین گوشوں میں ملے ۔ گوشوں پر اسطوانے رکھنے کا دستور بابل اور اشور کی عمارتوں میں عام طور پر پایا گیا ۔ زمین کی مختلف تہوں پر اینٹیں نکلیں جن پر پیکانی خط میں عبارتیں کندہ تھیں ۔ ان عبارتوں کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ عبادت خانہ اُر کے شاہی خاندان نے تعمیر کرایا تھا ۔ یہ شاہی خاندان نہایت قدیم ہے ۔ چنانچہ اس کی حکومت کا زمانہ بیسویں صدی پیشینِ مسیح یا اُس کے قریب دریافت ہوا ہے ۔ ٹیلر صاحب ہی وہ متجسس تھے جن کا گذر پہلی مرتبہ بابل قدیم کے عہد کی قبروں پر ہوا ۔ اُس زمانے کے تابوت جدید بابلی اور ایرانی عہد کے کشتی نما تابوتوں سے بہت چھوٹے ہوتے تھے ۔ بعض کی صورت ایسی ہوتی تھی جیسے نہانے کا انگریزی ٹب ہوتا ہے کہ سر کی طرف سے کسی قدر اونچا اور پاؤں کی طرف سے کسی قدر نیچا ۔ اس میں مُردے کا سر پاؤں کے مقابلہ میں بہت اونچا رہتا تھا ۔ بعض تابوت محض سرپوش کی شکل کے مدوّر بنے ہوتے تھے کہ مردہ کو زمین پر رکھ کر اُن سے ڈھک دیا جاتا تھا ۔ بعض کی یہ شکل تھی کہ دو لمبے مٹکے یا خُم ہوتے تھے آدھی لاش ایک خُم میں اور آدھی دوسرے خم میں رکھ کر خموں کا مُنہ کسی مسالے سے جوڑ دیتے تھے ۔ ان چیزوں سے اُس زمانے کے لوگوں کے رواج اور دستور کے متعلق بڑی معلومات ہوئی ۔ اسی طرح سے اُنکی روزمرہ زندگی کے طور طریقے ۔ طرح طرح کے گلی ظروف سے اور کھانا پکانے کی چیزوں سے اور مٹی کی تختیوں سے جن پر اُن کے کاروبار کے معاملات، قبالے اور تمسکات بابل کے ہر تاریخی عہد کے کندہ تھے دریافت ہوگئے ۔ ٹیلر صاحب نے یہ سب چیزیں زمین سے نکالیں ۔ باوجودیکہ تحقیقات میں کندن کے لیے کم وقت ملا لیکن بابل کی ابتدائی تاریخ پر بہت کچھ روشنی ٹیلر صاحب ہی کی کوشش سے پڑی ۔ اسی طرح

انھوں نے ابو شہرین کے ٹیلے کے نیچے جو شہر دفن تھا اُس کی عمر کا اندازہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ابو شہرین کا ٹیلا مقیر سے بھی جنوب میں تھا۔ اس امر کا ثبوت بھی ٹیلر صاحب ہی نے دیا کہ ابو شہرین کے مقام سے جو ٹیلے مسطح میدانوں میں جابجا سیدھے اُٹھے نظر آتے ہیں وہاں کسی زمانے میں آریدو کا شہر تھا۔ یہ شہر جیسا کہ حال میں دریافت ہوا ہے کسی زمانے میں خلیج فارس کے کنارے سے ملا ہوا اُس کے سرے پر یا اُسکے قریب واقع تھا۔ لیکن اب ساحلِ خلیج اُس سے بہت فاصلے پر ہے۔ ٹیلر صاحب نے یہ بھی معلوم کرلیا کہ ابو شہرین کے شمالی جانب جو ٹوٹے ہوے آثار اب تک ٹیلے کی چوٹی سے ۷۰ فیٹ اونچے اُٹھے نظر آتے ہیں وہ ایک پرستش گاہ کے منارے کے آثار ہیں۔ جس طرح مقیر کے مقام پر معلوم ہوا تھا اُسی طرح یہاں بھی منارے کے دو درجے دریافت ہوے۔ اور ایک درجے یا منزل سے دوسرے درجے پر چڑھنے کے لیے ایک جانب بجاے سیڑھیوں کے محض ڈھلوان سطح تھی۔ اور چوٹی پر ایک چھوٹا سا حُجرہ تھا جس میں معبود آیا کا بُت رکھا رہتا تھا۔ یا کوئی علامت رہتی تھی جو اُس معبود کو تعبیر کرتی تھی۔ یہ معبود شہر آریدو کا محافظ اور نگہبان سمجھا جاتا تھا۔ یہ انکشاف یونانی مورخ ہیروڈوٹس کے بیان سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔ اس مورخ نے بابل کے مناروں کا حال اس طرح لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مناروں کی چوٹی پر ایک مسقف مکان ہوتا تھا جس میں کسی معبود یا معبودہ کی مورت ہوتی تھی۔ اور اُسی کے نام پر یہ مکان ایک معبد کے طور پر مشہور رہتا تھا۔ ٹیلر کی کوششوں سے پہلے یا بعد کو جس قدر عمارتیں جنوب کے ٹیلوں کے نیچے دبی ملیں وہ کچی یا پکی اینٹوں کی تھیں۔ لیکن ابو شہرین کے ٹیلوں سے جو مکانات برآمد ہوے اُن میں سنگِ سرخ۔ سنگِ خارا اور سنگِ مرمر کا مستعمل ہونا بھی کثرت سے پایا گیا۔ چونکہ وادیِ فرات میں پتھر نام کو نہیں اس لیے لازمی ہے کہ یہ پتھر آریدو کے پُرانے شہر کی تعمیر کی غرض سے خلیج فارس کے رستہ سے لایا گیا ہوگا۔ ٹیلر صاحب نے اپنا زمانہ اس جنوبی حصے میں بھی صرف کیا تاکہ باقی ٹیلوں کی نسبت بھی تحقیقات ہوسکے اور آزمائش کے طور پر کہیں کہیں کندن کیا جائے۔ غرض ٹیلر صاحب کی روانگی کے ۲۰ برس بعد تک یعنی اُس وقت تک جب تک کہ فرانسیسی محقق سرزیک اس زمین پر نہ پہونچا جنوبی ٹیلوں کے متعلق جو کچھ علم تھا وہ ٹیلر صاحب ہی کا دریافت کردہ تھا۔

سر ہنری رالنسن کی کارگزاریاں | اس کام میں دی سرزیک کی جاں فشانیوں کا حال بیان

کرنا بھی ضروریات سے ہے لیکن اس سے پہلے سر ہنری رالنسن صاحب کی وہ کارگذاریاں بیان کرنی زیادہ مناسب ہیں جو اُنھوں نے برس نمرود کے ٹیلے کی تحقیقات میں جہاں پہلے کسی وقت میں بورسپا کا قدیم شہر آباد تھا انجام دیں۔ اُن کی تحقیقات گو مختصر تھی لیکن اُن کے اکتشافات نہایت صحیح نکلے۔ منارہ (زکورات) کے پوشیدہ آثار جو برس نمرود میں تمام ٹیلوں سے اونچے نظر آتے ہیں کچھ شبہ نہیں کہ اُن کی بلندی ہی اس شہرت کا موجب ہوئی ہو کہ منارۂ بابل جس کا ذکر توریت میں ہے اسی جگہ واقع تھا۔ بورسپا کے منارے کا نام بابلی زبان میں " اِی۔ آر۔ امینی۔ اَنکی" تھا۔ جس کے معنی ہیں " آسمان وزمین کا سات درجوں والا گھر"۔ اسی طرح بابل میں جو منارہ تھا اُس کا اصلی نام " ای تمن اَنکی " تھا۔ یعنی " آسمان وزمین کی بنیادوں والا گھر" ان دونوں ناموں میں آسمان وزمین کو ملا دینے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ توریت کے قصہ میں بھی یہی بات نکلتی ہے کہ خدا نے اس منارہ کو جسے لوگ زمین سے آسمان تک پہونچانا چاہتے تھے اعتراض کی نظر سے دیکھا۔ اگر توریت کا بیان اس دستور کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عبادت خانوں کے متعلق اونچے اونچے منارے تعمیر کرنے کا طریقہ بابل اور اشور میں عام تھا تو بے شک یہ روایت صحیح ہے کہ بابل والا منارہ یا اُس کے قریب بورسپا کا منارہ (یعنی برس نمرود کے آثار) وہی منارہ ہے جس کا ذکر توریت میں آیا ہے اور جس کو منارہ یا بُرجِ بابل لکھا ہے۔ غرض اس برس نمرود کی تحقیقات کا شوق سر ہنری رالنسن صاحب کو پیدا ہوا۔ اور اس شوق کو انجام دینے کے وہ اہل بھی تھے۔ کیونکہ ان کی لیاقت اور قابلیت طرح طرح سے ظاہر ہو چکی تھی۔ پُرانے کتبوں کی عبارت پڑھنے میں وہ بڑے مشاق تھے۔ آثارِ قدیمہ کی تحقیقات میں ان کو کمال حاصل ہوتا جاتا تھا۔ بیکانی خط کی عبارتیں وہ اکثر شایع کرتے رہتے تھے۔ درحقیقت تاریخ بابل واشور کی تحقیقات میں ان کو بڑا درجہ حاصل تھا۔ برس نمرود کی تحقیقات کا شوق ان کو اُس زمانے میں پیدا ہوا جبکہ بابل کے قرب وجوار میں جو فرانسیسی انجمن قائم ہوئی تھی اُس کو تحقیقات میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور وہ جوش جو موسیو بوٹا۔ بالس۔ اور سلے یرڈ کے اکتشافات سے پیدا ہوا تھا اب ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ رالنسن صاحب جب بحیثیت برٹش ریزیڈنٹ وکونسل متعینہ بغداد لافتس اور لے یرڈ والی جماعتوں کے اجرا و کار کا بندوبست کر چکے اور ۱۸۵۱ء میں لے یرڈ صاحب کی واپسی پر شمالی ٹیلوں کا کام بدستور ہرمزد رسم کے ہاتھ میں رہنے کا انتظام کر چکے تو ان کو موقع ملا

کہ ۱۸۵۴ء کے اخیر میں دو مہینے بابل اور بورسپا کے ٹیلوں پر صرف کریں۔ کنڈن کے زمانے میں جو کچھ تجربہ اور علم اس مضمون کے متعلق اِن کو ہوگیا تھا اُس کی مدد سے پہلے اُنھوں نے برس نمرود کے اُس حصّے کو جو ٹیلے سے نکلا ہوا تھا اس قصد سے بغور امتحان کیا کہ تعمیر کا ڈول اور اُس کا پھیلاو اور اُس کے درجوں کی تعداد اور اُس گہرائی کا اندازہ کریں جہاں سے منار کی تعمیر شروع ہوئی ہے۔ جب یہ سب باتیں اُن کے ذہن میں آگئیں تو یہ سمجھ لیا کہ منارہ کے کسی درجے میں چاروں گوشوں پر مٹی کے اسطوانے جن پر اس عمارت کا کچھ احوال کندہ ہوگا ضرور رکھے ہوں گے۔ چنانچہ ایک مقام سے جہاں تیسرے درجے کا ایک پہلو نظر آتا تھا اینٹیں نکلوانی شروع کیں۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک مزدور نے مٹی کا ایک اسطوانہ ٹھیک اُس مقام سے نکالا جس کو رالنسن صاحب نے ڈھونڈنے سے پہلے تیار کیا تھا۔ یہ مٹی کا خول بالکل سالم تھا۔ دوسرے گوشے میں ایک اسطوانہ اور نکلا۔ اور بعد کو ایک اسطوانے کے کچھ ٹکڑے بھی برآمد ہوئے۔ جب ان کی عبارتیں پڑھی گئیں تو ثابت ہوگیا کہ رالنسن صاحب نے بورسپا کے شہر قدیم کا وہ منارہ دریافت کرلیا جس کا نام بابلی زبان میں "اِی۔ ار۔ اینی۔ اَنکی" یعنے "آسمان وزمین کا سات درجوں والا گھر" تھا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ کائنات میں یہ منارہ آسمان وزمین کے ملائے جانے کی ایک علامت تھی۔ رالنسن صاحب نے یہ بھی دریافت کرلیا کہ چھٹی صدی پیشین مسیح کے شروع میں بخت نصر ثانی بادشاہ بابل نے جب اس منارے کی درستی کی تو اُس وقت اُس کے سات درجے تھے۔ جیسا کہ منارے کے اصلی نام سے ظاہر ہے۔ یہ درجے ایک کے اوپر ایک واقع تھے۔ اور اوپر جانے میں اوپر والا درجہ نیچے والے درجے سے محیط میں کم ہوتا جاتا تھا۔ سب سے نیچے کا درجہ رالنسن صاحب کے تخمینے کے مطابق ۲۷۲ فیٹ مربع تھا۔ اور اُس کی بلندی ۲۶ فیٹ تھی۔ بعض جگہ اینٹوں کے ٹکڑے ایسے ملے جن پر سیاہ نیلا اور سرخ رنگ ہونا پایا جاتا تھا۔ اب تک جس قدر زکورات یا منارے معلوم ہوئے ہیں وہ دو سے سات درجے تک کے ہیں۔ ابتدائی زمانے کے مناروں میں عموماً چار درجے دریافت ہوئے ہیں۔ بعد کے زمانے میں اِن مناروں کی بلندی اور درجوں کا شمار بڑھتا گیا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ ایک بلند مقام مثل پہاڑ کے بنایا جاوے اور چوٹی پر پہونچنے کے لیے چکردار سیڑھیاں یا سپاٹ بتدریج اونچا ہوتا ہوا پکا فرش ہو جس پر آسانی سے چڑھتے چلے جائیں اور چوٹی پر اُس معبود کی زیارت گاہ ہو جس کے نام پر یہ منارہ قائم کیا جائے۔

سیزدہ سالہ محنتوں کا نتیجہ | پس معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۲ء سے ۱۸۵۵ء تک محققان بوٹا۔ بالس۔ لے یرڈ۔ رسم۔ فریزنل۔ اوپرٹ۔ لوفٹس۔ ٹیلر اور رالنسن نے جو تحقیقات جنوب اور شمال کے ٹیلوں کی بابت کی اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزارہا پُرانے وقتوں کی چیزیں زمین سے نکالی گئیں۔ بڑی بڑی عمارات خاص کر عبادت خانے۔ بُرج اور منارہ۔ محل دکوشک دریافت ہو گئے۔ ان میں سے بعض کو مٹی نکال کر اپنی اصلی صورت میں ظاہر کر دیا گیا۔ عمارات کی نوعیت اور غرض معلوم کی گئی۔ اشوری محلوں کی نسبت تو حالات بہت ہی تفصیل سے تحقیق ہو گئے اور ان مختلف زمانوں کی مختلف یادگاروں سے اگلے وقتوں کی صنعت و حرفت کا پتہ چل گیا۔ تاریخی اور مذہبی کیفیات کے کتبے۔ گلی تختیاں جن پر روزمرہ کی کاروبار کی باتیں کندہ تھیں۔ یا اقرارنامے۔ تمسکات۔ ودستاویزات تحریر تھیں۔ اور کتابوں کا وہ کثیر ذخیرہ جس کو شاہانِ اشور میں سب سے نامور بادشاہ نے جمع کیا تھا۔ یہ سب نادر اشیاء اور حالات دنیا پر روشن کر دیے گئے۔

زمانہ فترۃ | رالنسن صاحب جب بغداد سے وطن کو چلے گئے تو بیس برس تک شمال یا جنوب میں کندن کا کام قطعی بند رہا۔ اور یہ اچھا بھی ہوا۔ کیونکہ دوبارہ کندن شروع کرنے سے پہلے کچھ زمانہ ایسا بھی ملنا چاہیے تھا کہ جس میں یورپ کے اہل علم پیکانی خط کے پڑھنے اور اس کے مطالب سمجھنے میں مہارت پیدا کر لیں اور جو ذخیرہ زمین سے باہر آ چکا تھا اُس کے حالات سے بخوبی واقف ہو جاویں۔ برٹش میوزیم اور فرانس میں لوآر عجائب خانے کے مہتموں نے یہ اہتمام کیا کہ جن لوگوں کو تحقیق کا شوق تھا وہ آسانی سے برآمد کردہ اشیاء کو معائنہ کر سکیں۔ چنانچہ برٹش میوزیم نے پیکانی کتبوں کی نقلیں چھاپ کر تقسیم کیں۔ تاکہ جو لوگ پیکانی خط کو پڑھنے اور سمجھنے کا شوق رکھتے تھے اپنے دماغ کا تیل اُس پر صرف کریں۔ ۱۸۷۰ء تک اُن کتبوں کا بڑا حصہ چھاپ کر شایع کر دیا گیا جو ۱۸۵۵ء تک زمین سے برآمد ہوے تھے۔ کتبوں کی زبان کے متعلق بڑے بڑے ذہین اور لائق لوگوں کے افکار بھی شایع ہوتے رہے۔ کتبوں کی زبان کو بالعموم اُس وقت اشوری زبان کہتے تھے۔ غرض پیکانی خط کو پڑھنے اور سمجھنے کا سلسلہ شائقینِ علم میں بخوبی قائم ہو گیا۔ اور اب اُن عبارتوں کے ترجمے چھپنے لگے جو اسطوانوں یا تختیوں یا لوحوں یا پتھر کے ستونوں پر بادشاہوں کے حالات یا واقعات کی یادگار میں کندہ تھیں۔ اگرچہ ان ترجموں میں بعض فروعات میں خامی پائی جاتی تھی۔

لیکن انصاف پسند مبصروں کو اس میں شبہ نہیں رہا تھا کہ بڑے بڑے واقعات ضرور صحت کے ساتھ تحقیق کر لیے گئے ہیں۔

طوفانِ نوحؑ

راؔلنسن صاحب کے بعد کندن کا دوبارہ شوق جس شخص نے پیدا کیا وہ برٹش میوزیم کے ایک افسر جارج اسمتھ نامی تھے۔ یہ برٹش میوزیم کے صیغۂ تصویر کشی میں ملازم تھے اور بعد کو اشوری آثار قدیمہ کے صیغے میں اسسٹنٹ مقرر ہو گئے۔ ۱۸۷۲ء کے اخیر میں ایک گلی تختی کی عبارت کو اُنھوں نے نہایت صبر و محنت کے ساتھ نکالنا شروع کیا۔ اور معلوم کر لیا کہ اس عبارت میں ایک بڑے طوفان کے حالات بیان ہوے ہیں۔ جب زیادہ غور کیا تو دریافت ہوا کہ یہ قصہ توریت کے طوفانِ نوحؑ سے بہت ہی ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ آثار قدیمہ متعلق انجیل کی مشہور انجمن کے ایک جلسے میں جو ۳ دسمبر ۱۸۷۲ء کو منعقد ہوا۔ جارج اسمتھ صاحب نے اپنے نتائج افکار کو جو اس کتبے کے مطالعہ سے پیدا ہوے تھے اس انجمن کے سامنے پڑھا۔ اور بیان کیا کہ نہایت قدیم زمانے میں ایک بڑا نامور شخص گلگمش گذرا ہے۔ اُس کے حالات میں ایک پوری تصنیف لکھی گئی تھی۔ جو اشوری کتبہ اُنھوں نے نہایت محنت سے پڑھا ہے وہ اس تصنیف کا محض ایک حصہ ہے۔ پھر اُنھوں نے اشوری قصۂ طوفان اور طوفان نوحؑ میں جو مشابہتیں تھیں اُن کی تفصیل کی۔ دونوں قصوں میں طغیانی سے بنی نوع انسان کا غارت ہو جانا بیان تھا۔ اس عجیب مضمون کا چاروں طرف غُل مچ گیا۔ اور اخبار لنڈن ٹیلیگراف نے تحریک کی کہ کتبخانۂ اشور کے باقی حصّے کو دریافت کرنے کی غرض سے ایک جماعت قوینجیک کو پھر روانہ کی جاے اور اس جماعت کے جملہ اخراجات کا اخبار مذکور خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس تجویز کو ٹرسٹیانِ برٹش میوزیم نے منظور کر لیا۔ اور ۱۸۷۳ء میں جارج اسمتھ صاحب اشور اور بابل کے ٹیلوں کی طرف روانہ کر دیے گئے۔ ۱۸۷۴ء اور ۱۸۷۶ء میں دو مرتبہ ان کو وہاں جانا پڑا۔ لیکن اخیر مرتبہ کے سفر میں حلب کے شہر میں مبتلاے تپ ہو کر دنیا سے چل بسے۔ ۱۹۔ اگست ۱۸۷۶ء کو یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ ۳۶ برس کی عمر میں آثار قدیمہ کے ایسے لائق محقق کی موت اس علم کے سخت نقصان کا باعث ہوئی۔ کیونکہ جو کچھ کام اپنی زندگی میں وہ دکھا سکے اُس سے قوی امید تھی کہ پچھلے کاموں سے کہیں زیادہ کامیابی کے ساتھ وہ آئندہ کام کریں گے۔ قوینجیک میں دو مرتبہ قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدہا تختیاں کتبخانۂ اشور کی برٹش میوزیم میں

پہونچ گئیں۔ یہ تختیاں در اصل کتابیں تھیں۔ اس کے علاوہ بہت سے مٹی کے اسطوانے یا خول۔ پتھر کی لوحیں جن پر حالات کندہ تھے انھوں نے مقام نمرود۔ قلعہ سرخند اور دیگر مقامات سے نکالیں بہت سی پرانی برتنے کی چیزیں بھی نکال کر روانہ کیں۔ اس زمانے سے پہلے لے یرڈ صاحب کے جانے کے بعد ہرمزد رسم صدہا کتابی تختیاں قوینجیک کے ٹیلے سے نکال چکے تھے۔ اور آخر مرتبہ جو کچھ تختیاں اُس اشوری محل میں جہاں کتبخانہ تھا باقی رہ گئی تھیں ان کو برٹش میوزیم کے اہلکاران واٹس نج۔ اور ایل ڈبلیو کنگ نکال لے گئے تھے۔

ایک ایشیائی محقق

جارج اسمتھ کا قیام ٹیلوں پر اس قدر کم مدت کے لیے ہوا کہ وہ کسی بڑے پیمانے پر باقاعدہ طور سے کندن نہ کر سکے۔ جو کچھ انھوں نے کیا وہ یہ تھا کہ قوینجیک۔ نمرود۔ اور قلعہ سرخند کے جو مقامات کھود کر ظاہر کر دیے گئے تھے اُن میں ہی ادھر اُدھر تختیوں کی تلاش میں کچھ زمین کھود کر جو کچھ ہاتھ لگا اُس کو نکال کر وطن پہونچا دیا۔ یہی کیفیت ہرمزد رسم کی تھی جنھوں نے جارج اسمتھ کے انتقال کے بعد چند سال تک شمالی اور جنوبی ٹیلوں پر کام جاری رکھا۔ برابر پانچ برس تک یعنی ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۲ء تک ہر سال کا کچھ حصہ رسم نے ان ٹیلوں کی نذر کیا۔ اس ایشیائی محقق کی کوششیں تھکنا جانتی ہی نہ تھیں۔ اور چونکہ تجربہ بہت حاصل ہو چکا تھا اس لیے تھوڑی سی کوشش میں بھی ان کو زیادہ کامیابی میسر ہو جاتی تھی۔ مدت تک ان ٹیلوں پر قیام رکھنے کی وجہ سے انھوں نے بہت بڑا ذخیرہ پرانی چیزوں کا جمع کر لیا۔ اور بہت سے ٹیلے ایسے دریافت کر لیے جن کے نیچے پرانے آثار اور شہر دبے تھے۔ اس تحقیق کے انکشافات میں سب سے قابلِ قدر چند برنجی ظروف کے ٹکڑے ہیں جن پر نہایت خوبصورت نقشیں کام ہے۔ کچھ مورتیں اور پیتل کے پتروں پر کتبے ہیں جو شاہ سلمانسر ثالث کے محل میں صنوبر کے دروازوں پر جڑے تھے۔ یہ چیزیں بلوات کے مقام سے برآمد ہوئیں جو موصل سے پندرہ میل کے فاصلے سے مشرق کی سمت میں ہے۔ پرانا نام اس مقام کا آنگورانلیل تھا۔ ان برنجی پتروں پر نہایت خوبصورت تصویریں شاہ سلمانسر ثالث کے عہد کی بنی ہیں۔ اور ان لڑائیوں کے متعلق نہایت تفصیل سے لشکر گاہ کے منظر۔ اشوری افواج کا گذرنا۔ دشمنوں پر حملہ۔ قلعوں کی فتح۔ مالِ غنیمت کا حاصل کرنا۔ قیدیانِ جنگ کی گرفتاری۔ قربانی کی رسمیں دکھائی گئی ہیں۔ انھیں تصویروں سے فوج کے مختلف حصوں کی پوشاک۔ گھوڑوں کے

ساز وسامان لشکر گاہ میں خیموں اور ڈیروں کی ترتیب وصف بندی - رات دن کے برتنے کے برتن۔ روزمرہ کی رسمیں اور عبادت کرنے کے طریقے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ کیفیتیں تو تصویریں دیکھنے سے معلوم ہوتی ہیں لیکن ان تصویروں پر جو عبارتیں نقش ہیں اُن سے اور بھی زیادہ حالات منکشف ہوتے ہیں - جنوب کے بعض ٹیلوں میں ہرمزد رسم نے بہت اہتمام سے کندن کیا تھا۔ یہاں ان کو اور بھی زیادہ کامیابی ہوئی - بابل جن ٹیلوں میں پوشیدہ تھا اُن میں سے بعض ٹیلوں کو کھود کر بہت سے کتبے نکالے - اور اس اعتبار سے ہرمزد رسم کو وہ کامیابی ہوئی جو ان سے پہلے لوگوں کو نہ ہوئی تھی۔ تاریخی کتبوں میں ان کا برآمد کردہ ایک کتبہ مٹی کے خول پر تھا جس کو بادشاہِ ایران کیرش (خورس) نے ۵۳۹ پیشین مسیح بابل پر فتح پاکر اپنی فتح کے حالات میں تیار کرایا تھا - یہ فتح تاریخ عالم کا ایک بڑا واقعہ تھا - کیونکہ اس نے بابل واشور کی تاریخ کو بالکل ہی خاتمہ کو پہونچا دیا - بابل جدید کا زمانہ ۶۲۵ ق م سے ۵۳۹ ق م تک رہا - اس زمانے کے کاروباری معاملات کی تختیاں بھی نکلیں۔ ان سے اور اسی قسم کی کئی ہزار اور تختیوں سے جن کو جارج اسمتھ نے اپنی موت سے چند روز پیشتر جمع کیا تھا بابل جدید کے لوگوں کے کاروبار اور ان کے قانون وضوابط کا حال معلوم ہوا - اُن کی تجارت کے طریقے جن سے اُن کی ذہانت ثابت ہوتی تھی - زندگی کے روزانہ کام اور شغل دریافت ہوگئے۔ تاریخ وادب سے جو تختیاں متعلق تھیں اُن کے مطالعہ سے اُن کے سیاسی اور حربی حالات - اُن کا شوق ملک گیری ظاہر ہوا - جو لوحیں کاروبار اور روزمرہ کی زندگی کے معاملات کی تھیں اُن سے اُنکے خرید وفروخت کے طریقے - کھیتوں کا لگان - مکانوں کا کرایہ - جائداد کا بیع وشرا - قرضے - رسیدیں ٹھیکہ داروں کے اقرارنامے - گماشتوں کے رقعے - بیاہ اور طلاق - وصیت نامے - تہنیت نامے - مقدمات کی روداد یں - حاکموں کی تجویزیں - غرض ہر قسم کے معاملات نظر کے سامنے آجاتے ہیں - اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے کی کسی میونسپلٹی کے دفتر کے کاغذات دیکھ رہے ہیں - بابل کے ان کلی دفتروں کے علاوہ ہرمزد رسم نے ابوحبہ کے مقام پر ایک عبادت خانے کے احاطے سے تختیوں کا ایک ایسا ہی دفتر اور برآمد کیا - ہرمزد رسم ہی کی کوشش سے ابوحبہ میں کندن کا یہ نتیجہ ہوا کہ قدیم شہر سپار کا موقع شناخت کر لیا گیا - یہ قدیم شہر پرستشِ آفتاب کا صدر مقام تھا - شمس پرستی جن لوگوں کا دین تھا اُن کو بابل کی تاریخ میں بڑا حصہ ملا ہے - ابوحبہ کے ٹیلے بہت دور تک

پھیلے تھے۔ تقریباً ۲۵۰ ایکڑ زمین اُن سے ڈھکی تھی۔ عبادت خانہ جس کے احاطے سے تختیاں نکلی تھیں ہیکل شمس تھا۔ اور ۲۵۰ ایکڑ میں سے ۴۰ ایکڑ زمین پر اسی عبادت خانے کا احاطہ تھا۔ اس احاطے میں علاوہ ہیکل کے چھوٹے چھوٹے معبد اور بتخانے تھے اور سکونت کے مکانات تھے جن میں عبادت خانوں کے متعلق سرشتوں کے اہلکار یا ہیکل کے خدام اور کاہن رہتے تھے۔ ہرمزد رسم نے اس وسیع عبادت خانے کے بہت سے کمرے نکالے۔ اور اُس کی محنت کا ثمرہ یہ ہوا کہ ساٹھ ہزار تختیاں ہیکل کے ایک دفتر خانے سے نکلیں۔ ان میں اکثر کاروباری معاملات کی تھیں اور کسی قدر ادبی معلومات سے بھی متعلق تھیں۔ اور یہ اسی قسم کی تھیں جیسے بادشاہِ اشور آسوربنا بال کے کتبخانے سے نکلی تھیں۔ مثلاً بعض تختیوں میں محض خدا کی تعریف تحریر تھی۔ کسی میں محض کسی بڑے واقعہ یا مجلس کی پوری کیفیت درج تھی۔ کہیں فال نکالنے سے پہلے جو عبارتیں پڑھی جاتی ہیں وہ بیان کی گئی تھیں۔ کہیں صرف و نحو کے کسی مضمون کے متعلق مثالیں بیان ہوئی تھیں۔ کہیں علوم ریاضیہ سے بحث ہوئی تھی۔ رسم نے ابو حبہ کے ٹیلے سے بہت سی تاریخی لوحیں بھی برآمد کیں۔ ان میں سب سے قابلِ قدر ایک پتھر کی لوح ہے جس کے سرے پر رب الشمس کی تصویر ہے کہ اپنے تخت پر اجلاس کرتا ہے۔ سامنے پہیے کی شکل کا ایک حلقہ رکھا ہے جس میں دو رسیاں لگی ہیں اور رسیوں کے سرے دو ملازموں نے تھام رکھے ہیں۔ سامنے ایک بادشاہ کو شمس کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں۔ آگے آگے ہیکل شمس کا بڑا کاہن ہے اور سب کے پیچھے شمس کی ملکہ ہے جس کا نام آ لکھا ہے۔ ملکہ کی مودب چال سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کی سفارشی بن کر شوہر کے پاس حاضر ہوئی ہے۔ اس تصویر کے علاوہ لوح کے دو طرف پیکانی خط میں عبارت لکھی ہے۔ جس میں ہیکل شمس کی تاریخ اور حالات نہایت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ شہر سپار پر جب تباہی آنے لگی تو لوگ دین شمسی سے غافل ہو گئے اور شمس کا وہ پرانا بُت جو ہیکل میں مدت سے رکھا تھا دفعتاً غائب ہو گیا۔ لیکن بادشاہِ بابل نبو ملبیدین (۸۸۸۔۸۵۴ ق م) نے مصمم ارادہ کر لیا کہ خدا کے اس گھر کو پھر پہلی سی رونق بخشے۔ چنانچہ بادشاہ کو ایک لکڑی پر رب الشمس کی شکل بنی ہوئی مل گئی۔ اور اس شکل کے مطابق ایک نیا بُت تیار کر لیا گیا۔ اس کتبے میں بہت سے تاریخی حالات لکھے ہیں اور دین شمسی کے اصول نہایت عجیب

بیان ہوے ہیں اور اخیر میں ایک بڑی فہرست اُن چیزوں کی بیان ہوئی ہے جو لوگوں نے نیاز وندر میں چڑھائی تھیں۔ کیونکہ نیبو لیدین بادشاہ بابل کا حکم تھا کہ برس کے پانچوں تہواروں پر ہیکل شمس میں نذریں پیش کی جائیں۔ ہرمزد رسم کو سرحدی نشان کے پتھر بھی مل گئے۔ ان میں ملازمین شاہی کو جو اراضیات بطور جاگیر کے ملی تھیں اُن کا ذکر ہے۔ اور اُن معبودوں کی علامتیں اور نشانیاں اُن میں بنائی گئی ہیں جو گویا ان عطیوں کے شاہد تھے۔ اور ان کی طرف سے اُن لوگوں پر لعنت لکھی گئی ہے جو اِن پتھروں کے کسی نقش کو مٹائیں یا پتھروں کو توڑ دیں یا کسی قسم کی تبدیلی اُن کی عبارت میں پیدا کریں۔

پروفیسر ونسنٹ شل ہرمزد رسم کی تحقیقات ختم ہونے کے بارہ برس بعد ۱۸۹۴ء میں ابوحبہ میں پروفیسر ونسنٹ شیل ساکن پیرس نے باقی مقامات کو ٹرکش گورنمنٹ کی سرپرستی میں کھودا۔ اس کوشش کا ثمرہ یہ ہوا کہ صدہا تختیاں علم ادب کے متعلق معابد وہیاکل کے دفترخانوں سے برآمد کی گئیں۔ چھوٹی چھوٹی مورتیں جو کسی درخت کی چھال کو تراش کر بنائی تھیں اور بعض پتھر کی سطح سے کسی قدر اُبھری ہوئی شمس اور اُس کی ملکہ کی تصویریں نکالی گئیں۔ جانوروں کے بت جو بطور نذر کے چڑھائے گئے تھے۔ کھانے پینے کے برتن۔ آہنی ہتھیار۔ بلین کی قطع کی متعدد مُہریں جس پر طرح طرح کے نقش تھے اور جو مٹی کی تختیوں پر جس حالت میں کہ اُن کی مٹی کسی قدر گیلی اور نرم ہوتی تھی بیلن کی طرح پھیری جاتی تھیں اور مُہر کے نقش تختی پر اُٹھ آتے تھے۔ گویا فریقین کے دستخط ہو گئے۔ دستیاب ہوئیں۔ ان کے علاوہ بہت سی نقشیں اینٹیں، اور مٹی کی محرابوں کے ٹکڑے نکلے۔ ابوحبہ میں پروفیسر شل نے تھوڑے عرصے تک قیام کیا۔ لیکن ان کو اس کا اندازہ ہوگیا کہ ہیکل شمس کے کل احاطے میں عمارات کی تقسیم وترتیب کس طرح پر واقع ہوئی ہے۔ نہ صرف احاطے کی عمارات کا بلکہ خاص ہیکل کے اندرونی حصوں کا حال بھی دریافت کرلیا۔ بالخصوص اُس حصے کا جس میں مدرسہ تھا۔

دوسرے عہد کا خاتمہ ہرمزد رسم نے پانچ برس کے زمانے میں جو بموجب ترکی فرمان ان کو حاصل تھا شمال اور جنوب میں بہت سے ٹیلوں کو چھان مارا تھا۔ کسی ٹیلے پر مدت تک اور کہیں قلیل عرصے تک مختلف تاریخ کے ... کام جاری رکھا تھا۔ برس ... کے مقام ... (بیت الحق)

کے عظیم الشان عبادت خانے کے ۸۰ حجرے برآمد کیے۔ یہ عبادت خانہ شہر بورسیا کے معبود خاص نابو کے نام سے مشہور تھا۔ جو کتبے اس ہیکل میں تھے اُن میں ایک لکڑی کے خول پر جو مضمون تحریر تھا وہ قابلِ ذکر ہے۔ اس چوبی خول یا اسطوانے پر بیکانی خط میں کل حالات ہیکل کی مرمت کے جو بابل کے یونانی گورنر انیٹی آوکس سوتر کی معرفت ۲۷۰ قبل مسیح ہوئی تھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا شہادت اس بات کی ہوگی کہ سلطنت بابل کے زوال کے تین سو برس بعد تک اس ہیکل کی عظمت و بزرگی لوگوں کے دلوں میں قائم تھی۔ حلّہ سے ۱۵ میل کے فاصلے پر سمتِ شمال مشرق میں تل ابراہیم کے ٹیلے واقع ہیں۔ اور ولمیم کے ٹیلے حلّہ سے دس میل کے فاصلے پر ہیں۔ ان ٹیلوں کا امتحان بھی رسم نے کیا تھا۔ لیکن کوئی بڑا نتیجہ نہ نکلا۔ ہرمزد رسم نے ایک مختصر سی کتاب میں آثار قدیمہ سے متعلق اپنے کل کام بیان کیے ہیں جو لے یرڈ کے زمانہ سے شروع ہو کر اُس کندن کے آغاز پر ختم ہوگئے، جو ارض بابل واشور میں سب سے آخر تھا۔ رسم کے کاموں کے ختم ہونے پر دجلہ و فرات کے کندن کا عہد دائمی بھی ختم ہو جاتا ہے اور تیسرا عہد اس کام کا اس وقت شروع ہوتا ہے جبکہ رسم اپنے اخیر کندنوں میں مصروف تھا۔ اس تیسرے عہد میں ٹیلوں کے ایک ہی سلسلے پر نہایت باقاعدہ کام کیا گیا۔

لوحوں والا ٹیلا ۱۸۷۷ء میں فرانسیسی نائب کونسل متعینۂ بصرہ یعنی ارنسٹ دی سرزیک نے مقام تلوح (تل لوح یعنی لوحوں والا ٹیلا) میں جو سلسلہ ٹیلوں کا تھا ان کو کھودنا شروع کیا تھا۔ تلوح وادیٔ فرات کے سب سے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ اس مقام کو سرزیک نے ہر چہار طرف دورہ کرنے کے بعد سب سے بہتر مقام تلاش و تحقیق کے لیے سمجھا۔ کبھی کبھی کسی قدر وقفہ کے ساتھ یہاں کام بالعموم مسلسل جاری رہا۔ یہاں تک کہ سرزیک کی عمر کا خاتمہ ہوا۔ سرزیک کی موت کے بعد گاسٹن کروس کی نگرانی میں کام ہوتا رہا۔

طوفان نوح سے پہلے کی تجارت تلوح کے ٹیلوں میں سے دو ٹیلوں کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ یہ دونوں ٹیلے سطح زمین سے پچاس سے ساٹھ فیٹ تک بلند تھے۔ ان دونوں میں جو ٹیلا چھوٹا تھا اُس سے سرزیک نے کام شروع کیا تھا۔ تھوڑے سے کندن کے بعد ایک بڑے وسیع محل کے آثار ظاہر ہوئے لیکن معلوم ہوا کہ یہ محل زیادہ پرانے وقتوں کا نہیں ہے بلکہ تیسری صدی قبل مسیح کے شروع زمانہ کا ہے۔ گو اُن آثار کے زیادہ قدیم ہونے کی علامتیں بالکل صاف تھیں لیکن انکے ساتھ ساتھ ایک بہت پرانی عمارت

کی نشانیاں بھی دریافت ہوتی گئیں آخرکار اس بات کا قطعی ثبوت ملگیا کہ جو آثار زیادہ قدیم نہیں ہیں وہ شاہان پہلوی کے عہد کے ہیں اور وہ ایک شاہی محل کے آثار ہیں جو کسی قدر اشوری محلوں کی وضع پر تعمیر ہوا تھا۔ لیکن اُس کی بنیادیں ایک نہایت قدیم بابلی پرستش گاہ کی عمارت پر رکھی گئی تھیں - اور اُس پرانی عمارت کا کچھ سامان اُکھیڑ کر جدید عمارت میں لگایا گیا تھا۔ سب سے نیچے حصے کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ایک ۶۰۰ فیٹ مربع چبوترے پر ۴۰ فٹ کی کرسی دے کر قدیم عمارت کو بنایا گیا ہے اونچے اونچے پشتے اور چبوترے بنا کر اُن پر عمارت اُٹھانے کا طریقہ بابل میں پرانے زمانے سے لیکر اخیر تک جاری رہا۔ غرض دریافت ہوگیا کہ پُرانی پرستش گاہ چالیس فیٹ بلند چبوترے پر بنائی گئی تھی اور معبود ننِ گرسو کے نام سے مشہور تھی جو شیرپولا (لگاش) کے پُرانے شہر کا محافظ و مربی معبود تھا۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ تلوح کے ٹیلوں کے نیچے شیرپولا یا لگاش کا پُرانا شہر دبا پڑا ہے - اس پرستش گاہ کا بانی بادشاہ اروکاجینا تھا جو ۲۰۰۰ برس قبل ولادتِ مسیح گذرا تھا۔ ممکن ہے کہ اس بادشاہ کے زمانے سے کئی صدی پہلے کی یہ پرستش گاہ ہو۔ اگر ۲۰۰۰ قبل مسیح کا بھی سمجھا جائے تو اُن قرون کے اعتبار سے جو توریت میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ زمانہ طوفان نوح سے ساڑھے تین سو برس پہلے کا ہوا۔ لگاش کے بادشاہ اس پرستش گاہ کی نہایت عظمت کرتے تھے اور اُس کی شہرت پُرانے شہروں کے بادشاہوں میں اس قدر ہوئی کہ وہ معبود ننِ گرسو کے معتقد ہوگئے اور اپنی نیازکیشی اس طرح ظاہر کرتے رہے کہ کسی نے اس پرستش گاہ کے احاطے کو وسیع کر کے تعمیر کرایا۔ کسی نے ایسے حصوں کی مرمت کرادی جو بوسیدہ ہوگئے تھے - اصلی پرستش گاہ کا کوئی حصہ بجز گوشۂ مشرق کی دیوار کے یا ایک مینار اور دروازے کے یا کہیں کہیں پُرانی اینٹوں کے ڈھیر کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ یہ دیوار بھی اُس تعمیر کا ایک حصہ ہے جو بادشاہ ارناؤنے ۲۴۵۰ برس قبل مسیح پرستش گاہ کے متعلق بنوائی تھی مینار اور دروازہ بادشاہ گدایا کا بنوایا ہوا ہے جو غالباً ۲۵۵۰ برس مسیح سے پیشتر گزرا ہے - اس پرستش گاہ کے کندن کے وقت کثرت سے پُرانی اشیاء برآمد ہوئیں۔ جن کی مختصر فہرست یہ ہے۔ بڑے بڑے ظروف جن پر عبارت کندہ تھی۔ مُہر کے بیلن۔ بُت اور مورتیں۔ پیتل کی چیزیں جو بطور نذر کے چڑھائی گئی تھیں۔ مٹی کے برتن۔ لوہے کے اوزار۔ لکڑی کے خول۔ مخروطی چیزیں جن پر عبارت تحریر تھی۔ ان میں جو چیز سب سے قابلِ توجہ تھی وہ بادشاہ گدایا کے نو مجسمے سنگِ سیاہ کے تھے۔ اس بادشاہ

کے زمانے میں گو شرپلا یا لگاش کا شہر خودمختار ریاست نہ تھا۔ لیکن اُس نے اپنی پرانی شان پھر اختیار کر لی تھی۔ ان مجسموں میں بادشاہ کو یا تو کھڑے قد یا بیٹھا ہوا دکھایا ہے۔ تمام مجسموں پر از سرتا پا باریک پیکانی خط میں عبارتیں کندہ ہیں۔ جن کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجسمے بھی معبود ننِ گرسو کو نذر میں پیش کیے گئے تھے۔ بادشاہ اُربا وُ کا بھی ایک بت اسی قسم کا دریافت ہوا جس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ گدیا نے بھی اُرباوُ کی تقلید میں اپنا مجسمہ اس پرستش گاہ میں بطور نذر کے چڑھایا تھا۔ بادشاہ گدایا نے اپنے مجسمہ پر لکھوایا ہے کہ جس پتھر کا یہ مجسمہ ہے اُس کو میں نے باہر کے ملکوں سے اسی طرح منگوایا تھا جیسے کہ تانبا اور سونا اور قیمتی لکڑی عرب کے ملک سے یا صنوبر کی لکڑی شام کے ملک سے منگوایا کرتا تھا۔ یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ ایسے قدیم زمانے میں بھی جو طوفان نوح سے پہلے کا یا قریب کا ہو دُور دُور کے ملکوں میں تجارت کے تعلقات قائم تھے۔

سومری زبان کے کتبے جب یہ مجسمے فرانس میں پہونچے تو تمام ملک میں ان کا چرچا ہو گیا اور فرانسیسی گورنمنٹ نے ایک رقم کثیر کندن جاری رکھنے کے لیے اور منظور کی۔ ان مجسموں پر جو عبارتیں کندہ تھیں وہ پرانی سومری زبان میں تھیں۔ اور یہ زبان ارض بابل کے وہ باشندے بولتے تھے جو ساحی الاصل نہ تھے اور قدیم سے قدیم زمانے میں اس ملک پر قبضہ رکھتے تھے۔ سومری زبان کے کتبوں کے پڑھنے سے وادیِ فرات کی سب سے زیادہ پرانی سیاسی حالت سے بہت کچھ واقفیت پیدا ہو گئی مجسموں کے علاوہ لکڑی کے بڑے بڑے اسطوانے بھی برآمد ہوئے جن میں ایک ایک پر دو دو ہزار سطروں کی عبارت کندہ تھی۔ ان عبارتوں سے قوم سومر کے ملکی اور سیاسی حالات اور بھی منکشف ہوئے۔ اور دریافت ہوا کہ بادشاہ گدایا نے اِنی منو کا ہیکل جس نقشے کے مطابق بنوایا تھا وہ نقشہ اُس کو کیونکر معلوم ہوا۔ بیان ہوا ہے کہ معبود نن گرسو نے خواب میں نظر آکر بادشاہ کو بتایا کہ اِنی منو کا ہیکل ایسی ایسی وضع کا تیار کیا جاوے۔ چنانچہ ان ہی ہدایتوں کے مطابق گدایا نے ہیکل تیار کرایا۔ جنوبی حصۂ بابل میں جو تمدن کی حالت قدیم زمانے میں تھی۔ ان عبارتوں سے اب اُسکی کیفیت صاف نظر آنے لگی۔ اور اہل فن سمجھ گئے کہ تمدن بابل اور اشور کی ابتدا کا پتہ اگر مل سکتا ہے تو وہ جنوب ہی کے ٹیلوں سے چلے گا۔ اور اس وجہ سے سرزیک کے زمانے سے جس قدر جماعتیں کندن کے لیے روانہ کی گئیں اُن کی کارگزاری کے لیے جنوب ہی کے ٹیلے اکثر تجویز کیے گئے۔ تلو رح میں جو کام

کیا گیا۔ اُس نے صرف بادشاہ کدایا کے زمانے کے واقعات پر روشنی نہیں ڈالی بلکہ ایسے پرانے کتبے
اور چیزیں بھی برآمد ہوئیں جن سے اس بادشاہ سے بھی پہلے کے حالات دریافت ہوئے۔ چنانچہ
ایک لوح کا ٹکڑا نکلا جو کسی ہیکل میں بطور نذر کے پیش ہوا تھا۔ اس لوح کے ایک رُخ پر معبود
نن گرسو کی تصویر تھی۔ ایک ہاتھ پر دو سر والا عقاب بیٹھا تھا۔ یہ عقاب شرپرلا کے شہر کا نشانِ عَلم
تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک جال تھا جس میں دشمنوں کے سر جمع تھے۔ اس تصویر کے ساتھ جو
عبارت کندہ تھی اُس میں آدمہ کے شہر والوں کی لڑائی کا ذکر تھا جس میں بادشاہ ااِیتوم کو
جس کا زمانہ ۔۔ ۲۹ قبل مسیح دریافت ہوتا ہے فتح ہوئی تھی۔ اس موقع پر فریقین میں جو صلح نامہ ہوا
تھا اُس کا مضمون بھی بیان ہوا ہے۔ ایک اور لوح بھی اس قسم کی نکلی جو بادشاہ ااِیتوم کے دادا
ارنینا کے وقت کی تھی۔ اس بادشاہ یعنی ارنینا نے سنگ سرخ کی ایک لوح پر اپنا نام اور اپنی
زندگی کے واقعات کندہ کرائے اور ایک عقاب کی تصویر بنوا کر جس کا سر شیر کا سا تھا اور جو دونوں
پنجوں میں دو شیر پکڑے ہوئے تھا معبود نن گرسو کے ہیکل میں چڑھائی تھی۔ باقی لوحیں جو نذر میں چڑھائی
گئی تھیں پیتل کی تھیں۔ ان میں ایک لوح میں ایک معبود کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں مخروطی
شکل کی کوئی چیز ہے۔ مخروطی شکل کی میخوں پر بیلوں کی تصویریں بھی نکلیں ۔۔ ایک مرد اور عورت کی تصویر
نکلی جو ٹوکرے لیے جاتے ہیں۔ عبارتوں کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ ان ٹوکروں میں نذر نیاز کی چیزیں ہیں۔

(از انسٹی ٹیوٹ ۔ علی گڑھ) محمد عنایت اللہ بی اے

میسوپوٹامیہ

ارض نہرین یا جزیرہ

۳

تدفین کا قدیم طریقہ۔ ایک اور بڑے ٹیلے کے کھودنے پر بھی سرزایک کو بہت کامیابی ہوئی۔ مختلف ازمنۂ قدیمہ کے آثار برآمد ہوئے۔ یہ سب آثار و عمارات ہیکل سے متعلق تھے۔ ان میں چھوٹی عمارتیں اُن معبودوں کے نام کی تھیں جن کی پرستش لگاش کے شہر میں ہوتی تھی۔ اور نن گرسو کے ہیکل کے احاطے میں اُن کا موجود ہونا گویا علامت تھی کہ یہ معبود معبودِ اعظم نن گرسو کے تابع تھے اور اس وقت اُس کے دربار میں حاضر تھے۔ غلہ اور سامان رکھنے کے مکان اور دفاتر کے لیے بڑے بڑے ایوان اور ملازمین و افسران ہیکل کے لیے سکونت کے مکان بنے ہوئے تھے۔ بہت سی قیمتی اشیاء بھی اس ٹیلے سے برآمد ہوئیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر ایک گلدان کی وضع کا چاندی کا بڑا ظرف تھا۔ جس کے گرد باریک کام کی تصویریں نقش تھیں۔ شیر چہرہ عقاب بنے تھے جن کے پنجوں میں کہیں شیر اور کہیں ہرن تھے۔ ایک حلقے میں نشستہ بیلوں کی تصویریں تھیں۔ اس ظرف کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہوا کہ شرپرلا کے بادشاہ یا حاکم انتی مینا نے جس کا زمانہ ۲۸۵۰ برس پیشین مسیح تھا اور جو فرزند ایانتوم کا تھا اس ظرف کو ہیکل نن گرسو میں بطور نذر کے پیش کیا تھا۔ یہ ظرف بابل کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے اور پتا چلتا ہے کہ ایسے قدیم زمانے میں بھی انسان کو صنعت و کاریگری میں کیسا اونچا درجہ حاصل تھا۔ تین سنگین لوحیں نکلیں جس پر شرپرلا کے ایک بادشاہ یا حاکم ارنینا کی تصویر مع اُسکے بچوں کے بنی تھی۔ اس تصویر پر اہل فن نے خاص توجہ کی۔ کیونکہ اس سے سومری قوم کے لوگوں کی شکل، چہرے کا نقشہ اور اُن کے لباس کی قطع خوب معلوم ہوتی ہے۔ ایک پتھر کی بیٹھک گہری سبز رنگ کی جس پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ستون نصب تھا، نکلی۔ اسکے گرد چھوٹی چھوٹی مورتیں کندہ ہیں۔ ایک عصا کی نقشیں موٹھ نکلی۔ جس کو شہر کش کے بادشاہ نے کسی بت پر نذر چڑھایا تھا۔ اس بادشاہ کا زمانہ ۳۰۰۰ برس پیشین مسیح اندازہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک برچھی کا پھل برآمد ہوا جو کش کے ایک دوسرے بادشاہ نے نن گرسو

کے بت پر چڑھایا تھا - شیروں کے سر بُتوں پر پانی چڑھانے کے برتن - ایک قسم کے گوند کی دھاری دار تھالیاں جن پر نگاش کے بادشاہوں کے نام لکھے تھے - پتھر کی تراشیدہ مورتیں چار چار فیٹ طول کی برآمد کی گئیں - ان مورتوں کی صورت اور وضع سے معلوم ہوتا تھا کہ بتخانوں کے خادموں کے مجسمے ہیں - ایک مورت کسی ستار بجانے والے کی ہے جس کے ستار میں گیارہ تار ہیں - یہ سب نچھاور کی چیزیں ہیں جو مختلف بادشاہوں نے نن گرسو کی ہیکل میں پیش کی تھیں - ان تمام اشیاء سے اور مختلف کتبوں سے اُس زمانہ کے مذہبی حالات خوب دریافت ہوتے ہیں - جن معبودوں کو مرد یا عورت کی شکل میں پیش کرتے تھے اُنکے چہروں کی قطع - اُن کے نشان - قربان گاہوں کا نقشہ - قربانی کے وقت کیا کیا رسوم ادا کی جاتی تھیں ان سب باتوں کا علم بخوبی پیدا ہوگیا - انھیں چیزوں کے ساتھ سرزیک کو ان ٹیلوں سے ایک بتخانہ کے متعلق پورا دفتر مٹی کی تختیوں پر لکھا ہوا مل گیا - جس میں بتخانہ کی جائداد واراضیات کا کل حساب و کتاب درج تھا - یہ مٹی کی تختیاں معلوم ہوتا تھا کہ کسی وقت میں نہایت ترتیب سے رکھی گئی تھیں تاکہ ضرورت کے وقت جو حساب وکتاب دریافت کرنا ہو فوراً مل جائے - غالباً تیس ہزار تختیاں اس قسم کی برآمد ہوئیں - لیکن اس تعداد کا بڑا حصہ سرزیک کی غیر حاضری میں چوری ہو کر بیچنے والوں کے ہاتھ لگ گیا اور یورپ اور امریکہ کے تمام عجائب خانوں میں اس ذخیرے کے حصے پہونچ گئے - ان تختیوں میں سے کئی ہزار کی عبارتیں چھاپ کر شایع کی گئیں جن کے پڑھنے سے ہیکل نن گرسو کی جائداد اور دیگر ہیاکل کی موقوفہ جائدادوں کے انتظام کا حال معلوم کیا گیا - شہر پر لا یا لگاش کے شہر کا وہ حصہ بھی کھود کر دیکھا گیا - جہاں مردے دفن کیے جاتے تھے یا جلائے جاتے تھے - گورستان کا بڑا حصہ نکالا گیا جس سے معلوم ہوا کہ قدیم بابلی گورستان کس طریقے پر قائم تھے - اور ضمناً اس مسئلہ کا جو اکثر زیر بحث رہتا تھا کہ وادیِ فرات میں پرانے وقتوں میں مردے دفن کیے جاتے تھے یا جلائے جاتے تھے فیصلہ ہوگیا - کوئی علامت ایسی نہیں ملی جس سے ظاہر ہوتا کہ مُردے جلائے جاتے تھے - دفن کرنے کے طریقے البتہ مختلف تھے - بعض قبریں ایک ہی عرض وطول و عمق کی مثل تہخانوں کے ہوتی تھیں جن میں مردے اُوپر سے اُتار دیے جاتے تھے - بعض قبروں کی صورت نالیوں کی سی ہوتی تھی جن میں مردے لٹا دیے جاتے تھے -

مدرسے، کتبخانے اور تجارتی بہی کھاتے | اب اُس کندن کا ذکر کرتے ہیں جو ۱۹۰۹ء سے پچھلے

تیس برس کے اندر جنوبی ٹیلوں پر ہوا ہے۔ شروع ۱۸۸۹ء میں پن سلوانیا کی یونیورسٹی کی طرف سے ایک جماعت قائم کی گئی اور اُسکے افسر خاص ڈاکٹر جان پورٹر مقرر ہوے۔ اس جماعت نے نفر کے ٹیلوں پر کام شروع کیا۔ نفر کا مقام وہی ہے جہاں نیپور کا پرانا شہر کسی زمانے میں آباد تھا۔ اس مقام پر پہلے لے یرڈ صاحب نے کہیں کہیں کندن کیا تھا۔ ۱۸۸۹ء میں شروع کرکے ۱۹۰۰ء تک یہ کام جاری رہا۔ کبھی کبھی بند بھی کرنا پڑا۔ ۱۸۸۸ء کے بعد ڈاکٹر پورٹر امریکہ کو واپس چلے گئے۔ اور اُنکی جگہ ہلینز صاحب مقرر ہوے۔ اُنھوں نے ایسی ترکیب نکالی کہ کندن کا کام جو بعض موسموں میں مجبوراً بند کرنا پڑتا تھا بارہ مہینے برابر جاری رہے۔ مگر اُنھوں نے اس کام میں ایسی سرگرمی دکھائی کہ صحت خراب ہوکر جلد مرگئے۔ ۱۸۸۹ء میں جیکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر ہارپر اور پن سلوانیا یونیورسٹی کے پروفیسر ہلپرخت بھی ڈھائی مہینے کے لیے اس کام کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوے۔ ۱۹۰۰ء میں ہلپرخت صاحب ایک بار اس کام کے معائنہ کے لیے اور گئے۔ اس امریکانی جماعت کی خاص کوششیں اُس حصہ میں صرف ہوئیں جہاں قدیم شہر نیپور کے ہیکل کا احاطہ زمین میں دبا رہا۔ معبود انلیل کا ایک معبد نکالا گیا اور بہت سے چھوٹے عبادت خانوں اور مکانوں کو زمین سے کھود کر ظاہر کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ سے بت خانوں کے خدام کے مکانات نکلے۔ ہیکل سے متعلق ایک منارہ بھی نکلا اور اس منارے سے پورا پورا حال اس بات کا معلوم ہوا کہ عبادت خانوں کے ساتھ منارے ہمیشہ تعمیر کیے جاتے تھے۔ ڈاکٹر پورٹر کو ہیکل کے دفترخانہ کا پتہ چل گیا۔ لیکن اُن کے سامنے دفتر برآمد نہ ہوسکا۔ ڈاکٹر ہنیز نے جب ڈاکٹر پورٹر سے چارج لیلیا تو اُس دفترخانہ سے بیس ہزار تختیاں برآمد کی گئیں۔ یہاں تلوح کے ٹیلے کی سی کیفیت نہ تھی کہ محض ہیکل کی جائداد کے حساب کتاب کے متعلق سب تختیاں ہوتیں بلکہ یہاں اور مضامین کی بھی تختیاں نکلیں ان میں صدہا ایک مدرسہ سے متعلق تھیں جو ہیکل کی جانب سے لڑکوں کی تعلیم کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اور جو لڑکے اس درس گاہ سے تعلیم پاکر نکلتے تھے وہ ہیکل ہی کے متعلق خدمات پر مامور کیے جاتے تھے۔ سپار کے پرانے شہر سے بھی تعلیمی مضامین کی تختیاں نکلیں۔ اور ان کے مضامین حال میں طبع ہوکر تقسیم ہونے بھی شروع ہوگئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ صرف نحو، املا و دیگر درسی مضامین کے دینیات کے اکثر مضامین پر بھی تختیاں موجود ہیں۔ مثلاً خدا کی تعریف میں بڑی بڑی عبارتیں۔ دعائیں۔ مناجاتیں اور اسے رسوم مذہب کے قواعد جن کی پابندی خاص کر نیپور کے شہر میں ہوتی تھی ان تختیوں پر کندہ ہیں

اور خیال ہے کہ کہانت کے متعلق بھی تختیاں ان میں موجود ہوں گی۔ لیکن اسکی پوری کیفیت اُسوقت معلوم ہو سکے گی جبکہ یہ تختیاں چھپکر بیکانی خط کے عالموں کے پاس پہونچ جائیں گی اور وہ ان کے مضامین پر اپنے مفصل و مکمل افکار ظاہر کریں گے۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ نیپور کے کسی بادشاہ نے بھی وادیٔ فرات کے بڑے بڑے شہروں میں جو علوم رائج تھے اور اُنکی مستقل تصنیفات تھیں ان کو جمع کر کے کسی ایسے عظیم الشان کتبخانے کی بنیاد ڈالی ہو جیسے کہ آسور بنیاپال بادشاہِ اشور نے اپنے دار الریاست نینوہ میں قائم کیا تھا۔ تعلیمی و درسی تختیوں کے علاوہ جو ہیکل نیپور کے احاطے سے برآمد ہوئیں، قانونی، کاروباری اسناد و دستاویزات بھی بعض مقامات سے نکلیں۔ یہ مقامات شہر نیپور کے اُس حصے میں تھے جو بابل جدید کے عہدِ آخر اور ایرانی تسلطِ بابل کے ابتدائی زمانے میں آباد تھا اور وہاں عام رعایا سکونت رکھتی تھی۔ جو چیزیں اس حصے سے برآمد ہوئیں اُن میں ایک بڑی مہاجنی کوٹھی کے حساب وکتاب کا ایک پورا دفتر تھا۔ ان کے مضامین کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اُس کوٹھی کا اُس وقت بڑا لین دین تھا۔ پروفیسر کلے نے یہ تختیاں چھپوا دی ہیں اور خود پروفیسر مذکور کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفر (نیپور) کے شہر میں کوئی دولتمند خاندان موراشو نام کا تھا جو پانچویں صدی قبل مسیح میں بڑے بڑے کاروبار کیا کرتا تھا۔ لوگوں کو قرض روپیہ دیتا تھا۔ بڑے بڑے کاموں کے ٹھیکے اور محصول اراضی کی اجارہ داری بھی کرتا تھا۔ اور اُسکے کارخانوں میں طرح طرح کا مال بھی فروخت ہوتا تھا۔ ان ہی تختیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نیپور (نفر) جدید بابلی خاندانِ شاہی کے زوال اور دولتِ ایران کے عروج کے وقت ایک مشہور شہر تھا۔ اس کا پتہ زمین کے طبقوں پر بھی غور کرنے سے اس طرح چلا ہے کہ اوپر کی تہوں میں ایسے تابوت نکلے ہیں جو ایرانی عہد کے کشتی نما تابوتوں کی وضع کے ہیں۔ پھر ایک پہلوی قلعہ کے آثار نکلے ہیں جس کی بنیادیں ایک پُرانی بابلی مینار کے ویرانہ پر قائم کی گئی ہیں۔ یہ بابلی منارہ معبود بیل کی ہیکل کا تھا۔ تلوح میں بھی ایک ایسا ہی منارہ دریافت ہوا تھا۔ پروفیسر ہنبز امریکانی نے مدت کی تحقیقات اور کوشش کے بعد ہیکلی مناروں کی حقیقت کہ وہ کس پیمایش کے ہوتے تھے اور اُنکی غرض کیا تھی، دریافت کی ہے۔ منار ایک مرتبہ تعمیر ہونے کے بعد بار بار بنائے گئے۔ شروکن (شارکن۔ سارگن۔ سرجون) اول جس کو شروکن اکدی بھی لکھتے ہیں اُس کے عہد سے بھی پہلے ان کی بنیاد پڑی تھی۔ شروکن اول کے زمانہ کے بعد انکی تعمیر میں ردوبدل

ہوتا رہا۔ اور اس بادشاہ کے عہد کی لکھی ہوئی اینٹیں ان مناروں میں سے نکلی ہیں۔ بعض نذر نچھاور کی چیزوں پر کتبے موجود تھے۔ جن کے پڑھنے سے بہت سے بادشاہوں کے نام دریافت ہوگئے۔ جنھوں نے نفر (نپور) کے شہر میں حکومت کی تھی۔ اور اپنی نشانیاں وہاں چھوڑ گئے تھے۔ ان کتبوں سے پرانے بادشاہوں اور وقتوں سے لیکر بادشاہ اشور اسوربنا پال (۶۶۸ - ۶۲۶ ق م) تک کے حالات دریافت ہوتے ہیں۔ یہ اخیر بادشاہ تھا جس نے منار کے متعلق کچھ تعمیر کرائی۔ اسکے وقت میں منار کے چار یا پانچ کھنڈ ہوتے تھے اور مجموعی بلندی صرف ۱۵۰ فیٹ ہوتی تھی۔ ہیکل کے احاطہ میں جو بہت وسیع ہے اور جسکے گرد دوہری دیوار ہے خاص ہیکل کی عمارت کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے عبادتخانوں کے آثار بھی ملے۔ اور ان میں بعض ایسی حالت میں برآمد ہوئے کہ اُن کا پورا نقشہ بالکل صاف نظر آتا تھا۔ بڑا ہیکل جس کا نام اِی کور (یا خانۂ کوہ) تھا۔ وہ خاص مسکن معبود اِنلیل کا تھا جس کو قوم سومر اپنے ساتھ اپنے پہاڑی وطن سے اس زمین میں لائی تھی۔ قوم سومر کی آبادیوں کا مذہبی مرکز نفر (نپور) کا شہر تھا۔ یہ بزرگی اس شہر کو ۴۰۰۰ برس قبل مسیح حاصل تھی۔ یہ زمانہ طوفانِ نوح سے کہیں پہلے کا ہے۔ تمام معبودوں میں اِنلیل معبود اکبر تھا۔ ایرانی سلطنت کے زمانہ میں بھی نپور (نفر) تلوح کی طرح بڑا مضبوط مقام تھا۔ جب ایرانیوں کے بعد یونانیوں کی سلطنت ہوئی تو بھی اُسکی بزرگی اور قوت میں فرق نہ آیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یونانی کتبوں اور یونانی بتوں سے ملتا ہے۔ زمانہ کے انقلاب نے جب اس شہر کو زندہ لوگوں کی سکونت کے قابل نہ رکھا تو مُردوں نے اُس پر قبضہ کر لیا۔ یعنی جو بزرگی اور تقدس اُس کی زمین کو حاصل ہو چکا تھا اُس کے باعث وہ ایک مقبول مقام مردے دفن کرنے کے لیے ہو گیا۔ قبروں سے صدہا مٹی کے پیالے نکلے جن کے اندر سحر کی عبارتیں ارآمی اور شامی زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ عبارتیں پیالوں میں اس لیے لکھی گئی ہیں کہ مُردوں کو خبیث روحوں سے پناہ ملتی رہے یہ پیالے سطح سے نزدیک ہی چھٹی صدی عیسوی تک کی قبروں سے جو شہر کے ایک خاص حصہ میں تھیں نکلے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر آبادی سے محروم ہونے کے بعد بھی صدہا برس تک یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے گورستان کا کام دیتا رہا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اُسکی گذری ہوئی شان و شوکت کسی کے خواب و خیال میں بھی باقی نہ تھی۔

بابل کا قدیم طرزِ تعمیر | یہ پیٹرز اور ہنیلز کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بابل قدیم کی مقدس تعمیرات کا علم کوئی

مستقل صورت اختیار کر سکا۔ اہل قدیم کے طرزِ تعمیر کی نقل کسی فرق کے ساتھ اشور کی عمارتوں میں بھی کی گئی۔
خاص ہیکل کی عمارت کی یہ قطع ہوتی تھی کہ اُسکے دو صحن ہوتے تھے۔ ایک باہر کا اور ایک اندر کا۔ باہر کے صحن میں مذبح ہوتا تھا جہاں قربانی کے جانور لائے جاتے تھے۔ اس صحن میں سب لوگ جمع ہوتے تھے۔ اندر کے صحن میں ایک طرف معبود کا بت ہوتا تھا اور یہ صحن اور جس مکان میں بت ہوتا تھا ہیکل کا پاک ترین مقام خیال کیا جاتا تھا۔ ہیکل سے ملا ہوا پشت کی طرف یا پہلو میں منارہ ہوتا تھا جسکے دو سے لیکر سات درجے تک ہوتے تھے۔ ایک درجہ دوسرے درجے پر اس طرح واقع ہوتا تھا کہ اوپر کا درجہ نیچے کے درجے سے چھوٹا ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ چوٹی پر پہونچ جاتے تھے۔

چند اور دلچسپ کتبے | چڑھاوے کی چیزیں جن پر کتبے ہیں اور جو نفر کے ٹیلوں سے نکلی ہیں اُنکا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان کتبوں میں تاریخی واقعات بھی درج ہیں جس سے تاریخی معلومات میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ بیسویں صدی سے تیسویں صدی قبل مسیح تک کے واقعات کا پتہ اُن سے چلتا ہے اور اُن بادشاہوں کے نام معلوم ہوتے ہیں جن سے اب تک کوئی واقف نہ تھا۔ اسی طرح سنگین ظروف کے بہت سے ٹکڑے ملے ہیں جن کو جوڑنے کے بعد ایک بڑا کتبہ بادشاہ آیرک یا یورک لکل زجیسی کا دریافت ہوگیا۔ اس بادشاہ کا زمانہ ۲۶۷۵ برس پیشتر حضرت مسیح سے تھا۔ اس بادشاہ کی قوت اور سلطنت ایسی بڑھی کہ وہ ارض سومر کا بھی بادشاہ کہلایا جانے لگا۔ جو بڑی بڑی فتوحات اُسکو حاصل ہوئی تھیں وہ سب اس کتبہ میں درج ہیں۔ اور جو بڑی بڑی لڑائیاں وہ لڑا تھا وہ بھی بیان ہوئی ہیں۔ ٹیلوں کی سب سے نیچی تہ سے برتنوں اور مٹکوں کا بڑا ذخیرہ نکلا۔ بعض مٹکے بہت ہی بڑے تھے کسی جگہ موریاں جو سنگین محراب دار بنائی گئی تھیں نکلیں۔ ان موریوں میں نل پڑے ہوئے تھے اور کثیف پانی شہر کا اُن کے ذریعہ سے باہر نکل جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہروں کی صفائی کا انتظام بھی قدیم زمانہ میں بڑے اہتمام سے کیا جاتا تھا۔ یادگار کے کتبے اور اشیاء جو نفر سے برآمد ہوئی ہیں وہ تلوح کے کتبوں اور چیزوں سے کم نہیں ہیں۔ نفر کی چیزوں میں ایک گول تختی ہے جو ۳۰۰۰ برس قبل مسیح ارنلیل کی نذر چڑھائی گئی تھی۔ اس میں بادشاہ وقت معبود انلیل کے بت پر پانی چڑھا رہا ہے۔ اس تختی میں ایک سوراخ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تختی تصویر کی طرح دیوار پر لگائی جا سکتی تھی۔ اس کے کتبے کا خط نہایت قدیم زمانہ کا ہے۔ قدامت کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ تصویر میں بادشاہ کے سامنے

بالکل برہنہ کھڑا ہے۔ تصویر کے نیچے کے حصہ میں دو آدمی ہیں ایک بکرے کے پیچھے اور دوسرا مینڈھے کے پیچھے جا رہا ہے۔ یہ دونوں خادم معلوم ہوتے ہیں جو معبود کے سامنے قربانی کے جانور لے جا رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں ایک دوسری جماعت چند مہینے تک کندان کی غرض سے امریکہ سے روانہ ہوئی اس نے مقام بسمیہ کے قریب کام جاری کیا۔ ڈاکٹر بنکس اسکے افسر اعلیٰ تھے اور یونیورسٹی شکاگو کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ مقامی مشکلات اور قلتِ وقت کے لحاظ سے ڈاکٹر موصوف کے کام پچھلوں سے بھی بڑھ گئے۔ بسمیہ کا مقام جنوبی بابلونیہ کے صحرائی حصہ کے بیچ میں تھا۔ اور وہاں کے لوگ بھی وحشی اور آزاردہ تھے۔ اور اس مقام تک پہونچنا بھی دشوار تھا۔

ایک قیمتی انکشاف ڈاکٹر بنکس بسمیہ میں تنہا پہونچے۔ کچھ مزدور جمع کیے اور سنہ ۱۹۰۳ء کے کرسمس کے دن کام شروع کر دیا۔ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء تک کام جاری رہا۔ مگر پھر گرمی اس قدر سخت ہوگئی کہ دسمبر تک سب کام بند کر دینا پڑا۔ حالات نے جس حد تک اجازت دی کام نہایت باقاعدہ طریقہ پر کیا گیا۔ اور بہت جلد ثابت ہوگیا کہ بسمیہ کے ٹیلے کے نیچے ایک پرانے شہر کے آثار دبے ہیں جو بابل قدیمہ کی سلطنت کے قائم ہونے سے پہلے مدت تک آباد رہنے کے بعد ویران ہو چکا تھا۔ سطح سے کچھ ہی نیچے پہونچنے پر پرانی عمارتوں کے آثار ملنے لگے اور ظاہر ہوا کہ اس شہر کو کسی غنیم نے تاخت و تاراج کیا تھا۔ ایک بادشاہی محل۔ ایک ہیکل اور ایک منارہ کا نشان بھی ملا اور شہر کے محلوں کا بڑا حصہ بھی برآمد کیا گیا جہاں عام رعایا آباد تھی۔ یہ حصہ محل کے صدر دروازہ کے سامنے تھا۔ محل کا صحن وسیع تھا اور صحن کے چاروں طرف متعدد کمرے تھے۔ معمولی مکانات کی قطع بھی وہی تھی جو محل کی تھی۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ معمولی مکانات میں کمرے کم اور چھوٹے ہوتے تھے۔ بڑے صحن کے علاوہ محل میں اندر کے رخ ایک اور صحن بھی تھا جسکے گرد مستورات کے رہنے کے لیے کمرے اور دالان بنے ہوے تھے۔ بعض کمروں میں نل لگے ہوے تھے اور یہ نل سیدھے نیچے کی طرف اترتے ہوے بنیاد ول تک گئے ہیں معلوم ہوتا ہے یہ کمرے حمام اور غسل خانے تھے۔ مختلف قسم کے برتن۔ مٹی کے کھلونے۔ چھوٹی چھوٹی مورتیاں اور بہت سی گلی تختیاں محل سے برآمد ہوئیں۔ ہیکل کے احاطہ سے جو چیزیں نکلیں وہ ان سے زیادہ اہمیت رکھتی تھیں۔ ان میں سنگین بتوں کے ٹکڑے تھے۔ ان کی صنعت و صفائی دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بت تراشی کے فن میں خاص کر چہرے کی تراش اور لباس کی ترتیب میں بہت ترقی ہو چکی تھی

ان ہی میں ایک بت کے ٹکڑے مختلف ملے۔ لیکن جب ان کو جوڑا گیا تو پورے نکلے۔ یہ بت قدیم بابلی سلطنت کی بت تراشی کا بہترین نمونہ ہے۔ اور ایک بڑے پرانے وقت کے بادشاہ کی صورت کا ہے جس کا نام نکل وا ود تھا۔ بُت کے داہنے بازو پر ہیکل کا نام اِی سر لکھا ہے اور شہر کا نام آدب۔ بُتوں کے سر اکثر ایسے ملے جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوم سومر کے لوگوں کی شکل کے ہیں۔ لیکن ایک بُت ایسا تھا جس کے چہرے کا نقشا بالکل سامی وضع کا تھا۔ یعنی داڑھی خوب بھری تھی۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ پُرانے وقتوں میں بابلونیہ کے باشندے دو مختلف قومی گروہوں کے تھے۔ اور ارض فرات کے پُرانے شہروں میں ان دونوں قوموں کے لوگ ملے جُلے رہتے تھے۔ ایک قوم سومر تھی اور ایک قوم وہ تھی جس کو سام بنی نوحؑ کی اولاد میں سمجھا گیا ہے۔ ٹیلے کی چوٹی سے ایک سیدھا پچاس فیٹ کی گہرائی کا سوراخ کیا گیا۔ یہاں تک کہ ریتلی زمین تک یہ سوراخ کیا گیا۔ گویا اُس سطح تک پہونچ گیا جس پر کسی وقت میں سمندر بہتا تھا۔ اُسوقت ڈاکٹر بنکس کو معلوم ہوا کہ ہیکل کے نیچے ایک عمارت اور بھی ہے جو ایک اونچے چبوترے پر کرسی دیکر بنائی گئی تھی۔ ہیکل والے طبقہ سے جو کتبہ اینٹیں اور ظروف برآمد ہوئے اُن سے دُنگی اور ار انجور یعنی شاہی خاندان اُر کے بادشاہوں کے نام دریافت ہوئے۔ انکا زمانہ ۲۷۵۰ برس قبل مسیح تھا۔ شروکن وترم سن اکدی کے نام بھی معلوم ہوئے۔ ان بادشاہوں کا زمانہ ۲۶۵۰ پیشین مسیح تھا۔ اب رہی وہ عمارت جو ہیکل کے نیچے تھی اُس کا زمانہ غالبًا ۳۰۰۰ برس مسیح سے پیشتر یا اس سے بھی پہلے کا تھا۔ ایک نیلے رنگ کا پتھر ہیکل سے برآمد ہوا۔ اس پر ایک طرف ہیکل کا نقشہ بنا ہوا ہے۔ یہ نقشہ تحقیقات کی غرض سے نہایت بکار آمد ثابت ہوا۔ کیونکہ اس سے پُرانے مناروں کی وضع معلوم ہوگئی۔ اس نقشے میں منارہ کے چار درجے دکھائے گئے ہیں اوپر کا درجہ نیچے کے درجے سے چھوٹا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ آدب کے پُرانے شہر میں ہیاکل کے منارے چار درجوں کے ہوا کرتے تھے۔ نذر نیاز کی اشیاء سے جو ہیکل سے نکلیں قطعی ثابت ہوگیا کہ اس ہیکل کا نام اِی سار تھا اور وہ شہر آدب کی معبودہ نِن گرسگ کا تھا۔ نِن گرسگ کے معنی خاتونِ کوہ کے ہیں۔ اس معبودہ کے بُت اس طرح بنائے ہیں کہ گویا تخت پر بیٹھے ہیں۔ چہرہ بھی بابل کے بُت تراشوں نے اس معبودہ کا اُسی وضع کا بنایا ہے جیسے کہ نِن لیل کا بناتے تھے جو معبود اکبر انلیل کی ملکہ تھی۔ اور جس کا بڑا ہیکل نفر میں تھا۔ ممکن ہے کہ انلیل کا مذہب آدب کے شہر میں نفر کے شہر سے پہونچا ہو۔ ڈاکٹر بنکس کو صدہا ٹکڑے برتنوں کے

وضع و قطع کے ملے۔ ان میں بعض سنگ سلیمانی۔ بعض سنگ سماق۔ سنگ سرخ۔ خارہ اور مرمر کے تھے۔ ان میں سے اکثر پر عبارات کندہ تھیں اور بعض پر تصویریں اور عجیب غریب نقوش تھے۔ مثلاً کسی پر اژدہے بنے تھے۔ کسی پر مذہبی جلوس کی تصویریں تھیں۔ کہیں بہت سے معبود ایک کشتی پر سوار دریا کی سیر کرتے تھے۔ ہاتھی دانت اور سیپ کی بنی ہوئی بہت سی چیزیں ملیں۔ مچھلیاں اور بلّیاں۔ خوبصورت مالا اور ہار۔ ان میں بعض محض زیبایش کی چیزیں تھیں اور بعض بتوں پر چڑھاوے کی۔ سنگِ مرمر کی کندہ لوحیں اور تانبے کی کتوبہ تختیاں بھی برآمد ہوئیں۔ سنگِ سفید کی بنی ہوئی گائیں نہایت پاکیزہ صنعت کی نکلیں۔ لیکن سالم نہ تھیں ٹکڑے تھے۔

طرزِ تدفین پر مزید روشنی

ہیکل کے قریب ہی ٹیلے کے ایک حصہ سے کئی ہزار تختیاں نکلیں اپر قدیم ترین زمانہ کی املا میں عبارتیں لکھی تھیں۔ ان کا تعلق ہیکل کے کتبخانہ سے معلوم ہوتا تھا۔ آخرالامر بسمہ کے ٹیلوں کی تحقیقات سے بابل قدیمہ کے طرزِ تدفین پر اور زیادہ روشنی پڑی۔ اینٹوں کی ڈاٹ لگا کر لحد بناتے تھے۔ یہ لحدیں ۶ فٹ لمبی اور تین فٹ اونچی ہوتی تھیں۔ ان میں مردے لٹا دیے جاتے تھے۔ دیوار سے ملا کر مٹی کی ہنڈیاں اور گھڑے چُن دیتے تھے۔ قبروں میں سے اکثر تانبے کے چھلے۔ مُہریں۔ ہار ان کے دانے نکلے جن سے معلوم ہوا ہے کہ مردے مع اپنے زیورات کے دفن کر دیے جاتے تھے بعض مٹی کے برتن ایسے نکلے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن کے وقت مردے کے ساتھ کھانا بھی رکھ دیا جاتا تھا ڈاکٹر بنکس لکھتے ہیں کہ یہ قبریں بادشاہ بابل حمورابی کے وقت کی ہیں جسکا زمانہ ۲۰۰۰ برس قبل مسیح گذرا ہے (یہ بادشاہ نوسام سے تھا اور اسکا زمانہ وہی دریافت ہوا ہے جو توریت میں حضرت ابراہیم کا ہے) ان پرانی قبروں کی وضع میں اور جو قبریں آجکل میسوپوٹامیہ (جزیرہ) میں تیار ہوتی ہیں زیادہ فرق نہیں ہے۔ یہ قبریں اسقدر پاس پاس برآمد ہوئی ہیں جس سے خیال ہوتا ہے کہ شہر کا یہ حصہ صرف قبرستان کے لیے مخصوص تھا۔

تاریخی عبارتوں کے چند اور نمونے

ڈاکٹر بنکس نے جو کیفیت اپنے کام کی تحریر کی ہے اُس میں چند نمونے تاریخی عبارتوں کے بھی دیے ہیں جو مختلف اشیا پر کندہ دستیاب ہوئی ہیں۔ ان نمونوں سے بعض ایسے بادشاہوں کے نام معلوم ہوے ہیں جو ڈاکٹر موصوف کی تحقیقات سے پہلے کسی کے علم میں نہ تھے۔ امید ہے کہ جب ان کے اکتشافات کی پوری کیفیت چھپکر شایع ہو جاویگی تو وادیِ فرات کی تاریخ قدیم کے متعلق معلومات میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔

۹۸۵۸

جرمن سوسائٹی | آثار بابل و اشور کے کام پر اخیر زمانہ میں جس نے کمر ہمت باندھی وہ جرمن اورینٹ سوسائٹی تھی جو سنہ ۱۹۰۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ یہ امر مسلمہ ہو کہ جس خوش اسلوبی اور اہتمام سے اس سوسائٹی نے کام کیا وہ اس سے پہلے کسی جماعت نے حتیٰ کہ تلوح کی سرزیک والی جماعت نے بھی نہیں کیا تھا۔ اس سوسائٹی کا انتظام پروفیسر فریدرخ ولی تش کے ہاتھ میں تھا۔ اس ذی علم پروفیسر نے اپنی تنہا کوشش سے جس قدر طلبا اور شایقینِ علم الاشور (اسیری اولوجی) کے پیدا کر دیے وہ کسی شخص واحد سے نہ ہو سکے تھے۔ اور وادیِ فرات کے گذشتہ تمدن سے جس قدر عام دلچسپی اس ماہر فن نے پیدا کر دی وہ کسی دوسرے سے نہ بن پڑی۔ یہاں تک کہ جرمنی کے بادشاہ کو بھی اس کا شوق ہو گیا۔ اور اُس نے بہت فیاضی سے جہاں جہاں بابل اور اشور میں قدیم عمارات کی تحقیقات کا کام ہو رہا تھا مدد دی۔ اس سوسائٹی نے اضلاعِ فرات ہی میں کام نہیں کیا بلکہ مصر میں ابوصیر اور آمرنہ کے مقامات پر اور فلسطین میں مقام جلیل میں آثار قدیمہ کی تحقیق و تفتیش کی۔ چھ یا سات برس کا عرصہ ہوا کہ اُس زمانہ تک جزیرہ میں دو مقامات پر یہ سوسائٹی کام کرتی رہی۔ شمال میں قلعہ شرجہ پر جہاں ملک اشور کا پرانا دارالحکومت اشور رہا تھا۔ اور جنوب میں اُن ٹیلوں پر جن کے نیچے بابل کا قدیم شہر دفن تھا۔ کچھ کچھ کام فارا اور ابوحطب میں بھی کیا۔ یہ مقامات وہ ہیں جہاں شر دیک اور کیسرا کے پرانے شہر دبے پڑے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں سب سے ہتم بالشان دیرلنے یعنی ورقہ کے قریب کام شروع کیا۔ ورقہ کا موجودہ نام آشنا معلوم ہوتا ہے۔ پرانے شہر یورک کے نام سے جو اُس کے نیچے دبا پڑا ہے۔ یہاں کسی زمانہ میں ایک معبودہ نانہ نامی کی پرستش ہوا کرتی تھی۔

بابل اور اشور کے قدیم تر حالات | جرمن سوسائٹی کی مسلسل ۱۴ برس کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک اشور کے بارے میں اُس کے سب سے پہلے دارالحکومت یعنی شہر اشور کے تاریخی حالات حضرت مسیح سے دو ہزار برس بیشتر سے لیکر اُس زمانہ تک کے دریافت ہوگئے۔ جبکہ یہ شہر سلطنت اشور کے شمالی حصہ کا پایۂ تخت نہ رہا بلکہ دو ہزار برس قبل مسیح سے بھی سابق کے حالات معلوم ہوے۔ ملک بابل کے بارے میں جدید شہر بابل کے حالات دریافت کیے گئے جو قدیم شہر بابل کے بعد تعمیر ہوا تھا۔ بابل کے قدیم شہر کی نسبت معلوم ہوا کہ زمین کے طبقے بھی جن میں وہ دفن ملا اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس شہر کو کسی نے بُری طرح غارت و برباد کیا تھا۔ بادشاہ اشور سنحریب جس نے ۶۸۹ قبل مسیح اس شہر کو

مسمار کیا تھا اپنے کتبوں میں لکھ گیا تھا کہ جب میں اقلیم جنوب (یعنی بابل) کی بغاوتوں سے تنگ آگیا تو میں نے عہد کر لیا کہ شہر بابل کو تباہ و مسمار کر کے مفسدوں کو دکھا دوں گا کہ تباہی کس کو کہتے ہیں۔ اُسکی عالیشان عمارتوں کو زمین دوش کر کے تمام شہر پر پانی پھروا دوں گا۔ تاکہ تباہی اپنے کمال کو پہونچے۔ بابل قدیم کی تباہی کے نشانات جو زمین کھودنے سے ظاہر ہوے بتاتے ہیں کہ اس بیان میں کوئی مبالغہ نہ تھا۔ جرمن سوسائٹی نے بعض تختیاں پرانے بابل کی بھی برآمد کر کے اُسکے حالات پر زیادہ روشنی ڈالی۔ لیکن جس شہر کو اس سوسائٹی نے فی الواقع زمین سے نکال کر ظاہر کیا وہ بابل کا شہر جدید تھا جس کو بادشاہ نیبو پلاسرا اور اُسکے فرزند نبوکدنسر ثانی نے ساتویں اور چھٹی صدی پیشین مسیح میں تعمیر کرایا تھا۔ نیبو پلاسر نے جو سلطنتِ جدیدۂ بابل کا بانی ہوا ۶۲۵ ق م سے ۶۰۴ ق م تک سلطنت کی۔ اور اُسکا فرزند نبوکدنسر ثانی ۶۰۴ ق م سے ۵۶۱ ق م تک بابل کا بادشاہ رہا۔

شہروں کی تحقیق ملک اشور کے سب سے پہلے دار الحکومت یعنی شہر اشور کی دیواریں۔ بُرجے قلعے اور بُرج نہایت احتیاط اور قاعدہ سے زمین کھود کر ظاہر کیے گئے۔ اوپر سے لیکر بنیادوں تک ان کا حال معلوم ہوگیا۔ پرانے وقتوں سے غالباً بیسویں صدی قبل مسیح سے اشور کے تاجدار اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اس شہر کو جہاں تک ممکن ہو مستحکم بنائیں۔ چنانچہ جو جو زمانہ گذرتا گیا بڑے مضبوط قلعے بُرج اور فصیل تعمیر ہوتے گئے یہاں تک کہ بادشاہ سلمانسر ثانی (۸۵۸ - ۸۲۴ ق م) کے عہد میں یہ شہر مضبوطی و استحکام میں اپنی انتہا کو پہونچ گیا۔ شہر پناہ کی دیواریں دوہری بنائی گئیں۔ اور اُنکے آثار بہت چوڑے رکھے گئے۔ دیواروں پر کنگورے اور جابجا مورچے بنائے گئے۔ اور شہر میں داخل ہونے کے آٹھ دروازے بڑے عالیشان تعمیر ہوگئے۔

اہل جرمنی کا طریقۂ کار شہر کے اندر بہت سے عالیشان محلوں کے آثار ہر زمانہ کے کوئی بہت پرانا اور کوئی کم اور عظیم الشان ہیکلوں کی عمارتیں اور شہر کے اُس حصہ کے مقامات جہاں شہر کے لوگ رہتے تھے اور پرانے وقتوں کی بہت سی قبریں کھود کر ظاہر کی گئیں۔ جرمنی والوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک مقررہ فاصلہ بیچ میں چھوڑتے ہوے عمودوار گہری خندقیں کھودتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ آخر تہ پر پہونچ جاتے تھے۔ اس کھودنے میں اگر کسی عمارت کا کوئی حصہ نظر پڑ گیا تو وہاں کی مٹی نکالنی شروع کر دیتے تھے اور جب تک اُس عمارت کے تمام آثار ظاہر نہ کر لیتے تھے دوسرا کام نہ کرتے تھے

اس طریقے سے کوئی عمارت بھی جو ٹیلوں کے نیچے دبی ہوتی تھی اُن کی نظر سے بچ نہ سکتی تھی۔ جب کسی عمارت کے کل نشانات ظاہر کر لیتے تھے تو پھر عماراتِ قدیمہ کے بڑے بڑے ماہر اور فن معماری کے بڑے بڑے اُستاد جو اس سوسائٹی سے متعلق تھے عمارت کی پوری کیفیت اور اُسکے تاریخی حالات لکھنے بیٹھ جاتے تھے۔

سب سے بڑا پہاڑی گھر اشور کے شہر میں سب سے بڑے ہیکل کا بلند منارہ جس کا نام "ای کرسگ کل کرا" پڑھا گیا ہے یعنی تمام زمینوں کا سب سے بڑا پہاڑی گھر" جو معبود اکبر اشور کے نام پر تھا دریافت کر لیا گیا۔ اور ہیکل کی بنیادوں سے پتہ چلا کہ شمشی کوئی بادشاہ تھا جو دین و دنیا دونوں کا مالک سمجھا جاتا تھا اُسنے یہ ہیکل اور منارہ بنوایا تھا۔ بادشاہی محل کے قریب ہی ہیکل کی عمارت تھی اور اسکے قریب ہی ایک بتخانہ تھا جو ہیکل اشور سے شہرت میں کچھ کم نہ تھا۔ اس بت خانہ کا ذکر اکثر شاہان اشور کے تذکروں میں آیا ہے۔ اس بتخانہ کا نام آنو اور آدو دو معبودوں کے نام پر تھا۔ اسکی دو عمارتیں جدا جدا تھیں لیکن صحن دونوں عمارتوں کا ایک ہی تھا۔

ایک مہمان خانہ بتخانہ آنو اور آدو کے صحن سے بہت سی مکتوبہ اینٹیں اور ہیکل کے احاطہ سے بہت سے مٹی کے خول یا اسطوانے برآمد ہوئے۔ جس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اکثر بادشاہوں نے ان معبودوں کے ساتھ اپنی خوش اعتقادی و نیازکیشی کے ثبوت میں بہت سی عمارتیں ہیکل و بتخانہ کے متعلق مختلف اوقات میں بنوائی تھیں۔ ایک عجیب تعمیر جو شہر اشور کے کھنڈر میں نکالی گئی وہ مہمان خانہ نوروز تھا۔ اس عمارت کی غرض یہ تھی کہ نوروز پر جو زیارت کرنے والے باہر سے آئیں وہ ہیکل کے قریب اسی مکان میں اُتارے جائیں۔

مکانوں کی وضع بہت سے محلوں اور بتخانوں کو نکالنے کے علاوہ جرمن سوسائٹی نے شہر اشور کا ایک حصہ جس میں شہر کے لوگ رہتے تھے برآمد کیا جس سے معلوم ہوا کہ عام لوگوں کے رہنے کا کیا طریقہ تھا۔ عام رعایا کے گھروں کی صفیں کی صفیں کھود کر ظاہر کر دی گئیں۔ یہ گھر بہت سادی وضع کے اینٹوں سے بنے ہوئے تھے اور صرف ایک منزل کے تھے۔ بیچ میں کھلا ہوا صحن ہوتا تھا اور اردگرد دالان اور کوٹھریاں۔ یہ مکان چھوٹے ہوتے تھے۔ لیکن بعض بڑے مکان بھی نکلے جن میں دو دو صحن تھے۔ باہر والے صحن میں صدر کی جانب ایک لمبا کمرہ یا دالان ہوتا تھا۔ اور اسکے صدر میں ایک دروازہ دوسرے صحن میں کھلتا تھا۔ اور اس اندر والے صحن کے چاروں طرف دالان اور حجرے بڑے اور

اور چھوٹے ہر قسم کے ہوتے تھے اور سامنے کے رُخ ایک لمبا دالان ہوتا تھا۔

یادگاری ستون دونوں شہر پناہوں کے بیچ میں جو جگہ تھی وہاں سے سنگ مرمر۔ سنگ چقماق۔ اور سنگ سرخ کے بہت سے ستون نکلے۔ ان ستونوں پر بادشاہوں اور بادشاہ زادیوں اور عمائدِ سلطنت کی یادگاریں عبارتیں کندہ تھیں۔ ۱۴۰ کے قریب ایسے ستون برآمد ہوئے۔ ان میں بہت سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان کی لمبائی ۶ فٹ سے ۹ فٹ کے اندر تھی اور ان کے اوپری سرے گول تھے اور علاوہ عبارت کے بعض پر اُس شخص کی تصویر بھی تھی جس کی یادگار میں ستون نصب کیا گیا تھا۔ ان ستونوں سے اشور کے ۲۵ بادشاہوں اور بادشاہ بیگموں کے نام تحقیق ہوئے۔ بادشاہ بیگموں میں ایک نام سمی رامس کا تھا جو بادشاہ شمسی اَدَد چہارم یا پنجم کی ملکہ تھی۔ شمسی اَدَد نے ۸۲۳ ق م سے ۸۲، ق م تک اشور پر سلطنت کی۔ ان ہی ستونوں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ سیمی رامس بادشاہ اَدَد نرمینی (۸۱۰ - ۸۲، ق م) کی ماں اور بادشاہ سلما نسر سوم (۸۵۸ - ۸۲۴ ق م) کی بہو تھی۔ اکابر سلطنت جنکا ذکر ان یادگاری ستونوں پر ہے اُن میں ۴۴ آدمیوں کے نام کہیں پورے اور کہیں کچھ مٹے کٹے پڑھے جاتے ہیں۔ بادشاہوں اور بادشاہ بیگموں کے ستون اندرونی شہر پناہ کے قریب نصب تھے۔ اور عمائدِ ریاست کے ستون باہر والی شہر پناہ کے قریب تھے۔ زمانہ ان ستونوں کا ۱۴۰۰ برس قبل مسیح سے ۶۲۶ قبل مسیح تک یعنی اسورنا پال کے عہد تک نکلتا ہے۔ گویا یہ سمجھنا چاہیے سلطنت اشور کے زوال سے ۲۰ برس پہلے تک یہ ستون نصب کیے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ یادگاری پتھر بادشاہوں کے حکم سے کسی ممتاز موقع پر نصب کیے جاتے تھے۔ اور یہ عزت افزائی بھی اُن ہی لوگوں کی ہوتی تھی جن سے سلطنت یا خاندانِ شاہی کی کوئی خدمت عمل میں آئی ہو۔ اس رسم سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے لوگوں کے یادگاری ستون ایسی جگہ نصب کیے جاتے ہوں گے جہاں ہر خاص و عام کی اُن پر نظر پڑ سکے۔

بابل کا شہر یہ حالات تو اشور کے تھے۔ بابل میں کندن کا کام ڈاکٹر رابرٹ کولڈوے کے انتظام و اہتمام میں ہوا۔ جس قدر مدت اشور کی تحقیقات میں لگی تقریباً اُسی قدر زمانہ بابل پر صرف کیا گیا۔ جرمن محققوں کی خاص توجہ بابل میں تل قصر اور تل عمران کی طرف مبذول رہی۔ تل قصر کے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی قلعہ یا قصر کے ہونے کا گمان پہلے سے چلا آتا تھا۔ چنانچہ یہ بات مشہور تھی کہ شاہِ بابل نبوپلانسر نے وہاں اپنا محل تعمیر کرایا تھا۔ اور اُسکی توسیع بادشاہ بابل نبوکدنضر نے کی تھی۔ تل عمران

میں جو اُن تین ٹیلوں میں سے ایک ہے جن کے نیچے بابل کا پُرانا شہر دفن ہے کندن شروع کرتے ہی اتی ساجلہ کے مشہور ہیکل کے آثار ظاہر ہوئے۔ یہ ہیکل بابل کے معبود مرزوق کا تھا جو بادشاہ حمورابی کے بعد تمام معبودوں کا سردار یعنی رب الارباب مانا جاتا تھا۔ نیبو بلانسر کے محل کی تمام بنیادیں یا جس قدر مل سکیں اُن کے آثار مٹی ہٹا کر بجنسہٖ دکھا دیے گئے۔ صدہا کمرے اور دالان جو اُن میں تھے وہ صاف کر کے ظاہر کر دیے گئے۔ اور عمارت کے متعلق جس قدر تفصیلی حالات معلوم ہو سکے وہ سب تحقیق کر لیے۔ ہیکل اتی ساجلہ اور قصر نیبو بلانسر کے درمیان جو زمین تھی اُسکے کھودنے سے عجیب و غریب انکشافات ہوئے۔ ایک بڑی پختہ سڑک نکلی جس پر بڑے بڑے تہواروں کے موقعہ پر مرزوق اور اُسکے ماتحت معبودوں کے جلوس نکالے جاتے تھے۔ یہ جلوس خاص کر نوروز کو نکلتے تھے۔ یہ سڑک قریب کے مکانوں سے اونچی تھی اور دوطرفہ دیواریں سڑک کے کنارے تھیں جن پر روغنی فلس کا کام تھا۔ شیروں کی تصویریں برابر برابر بنی تھیں اور تصویروں کے حاشیہ پر بیل بوٹے تھے۔ سڑک پر پختہ فرش ریختہ کا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کوئی کتبہ بھی نصب نظر آتا تھا۔ جس پر سڑک کا نام اور سڑک بنانے والے کا نام یعنی بادشاہ بنوکدنسر کندہ ہوتا تھا۔ ایک عالیشان دروازہ تھا جس کا نام دروازۂ اشتر تھا۔ اس دروازہ میں دو محرابیں ایک باہر کے اور ایک اندر کے رُخ تھیں۔ سڑک اسی دروازہ سے شروع ہوتی تھی۔ دروازہ کے چاروں گوشوں پر چار چوپہل منارے تھے اور اُن پر روغنی اینٹوں کا کام بہت تکلف کا بنا تھا۔ حاشیوں پر اژدہوں اور ایک سنگھے والے ہرنوں کی تصویریں بھی تھیں۔ ایک ایک حاشیہ میں اٹھارہ اٹھارہ قطاریں تصویروں کی تھیں۔ اور ان چمکتی ہوئی رنگین اور روغنی تصویروں سے منارے بڑے شاندار معلوم ہوتے ہوں گے۔

چند بوسیدہ تبخانے

ہیکل کا وہ حصہ جہاں خاص مرزوق کا بُت رکھا تھا عمران کے ٹیلے کے نیچے سے نکلا۔ اس حصہ کے قریب چاروں طرف چھوٹے چھوٹے معبد تھے اور مختلف معبودوں کے نام پر مشہور تھے یہ معبود اکبر مرزوق کے اقربا یا وزراء میں تصور ہوتے تھے۔ بنوکدنسر نے ان معبودوں کے نام چالیس کے قریب اپنے ایک کتبہ میں تحریر کیے ہیں۔ اور اس پورے مقام کا نام جہاں ان بتوں کے تبخانے ہیں اتی ساجلہ لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تبخانے نہایت بوسیدہ حالت میں ملے۔ اس لیے نہ تو اُن کی دیواروں کے نقش و نگار معلوم ہو سکے اور نہ وہ چیزیں جو اُن میں رکھی تھیں دستیاب ہو سکیں۔ اشور کی طرح یہاں بھی جرمن سائنٹی

نے شہر پناہ اندر والی اور باہر والی دیواروں اور شہر پناہ والے مورچوں کا بڑی محنت اور جانفشانی سے پتہ چلایا ۔ ان دیواروں اور مورچوں کو بادشاہ نبوبلانسر اور اُسکے فرزند بنوکدنسر نے تعمیر کیا تھا۔ ہیکلوں کے متعلق بہت سے کتبے اور طرح طرح کے صدہا مکتوبات تجارتی معاملات یا جائداد کے متعلق دستیاب ہوئے ۔ یہ مکتوبات خاص کر ایرانی دَورِ سلطنت کے تھے ۔ اہل فن کا قیاس ہے کہ خاص ہیکل کے دفتر اس کے مکتوبات اور ادبی ذخیرے جو جدید بابلی سلطنت کے زمانہ میں موجود چلے آتے ہوں گے اب تک زمین میں دبے ہیں۔

ہیکل نابو | جرمن سوسائٹی نے بورسپا کا بھی کندن کیا ۔ یہ مقام فرات کے اُس پار بابل سے بہت قریب ہے ۔ یہاں نابو پسر مرزوق کا ہیکل برآمد ہوا ۔ اس کی شان ہیکل اسی ساجلہ سے دوسرے درجے پر تھی۔

خلاصۂ کلام | اب ٹیلوں کے متعلق تحقیقات کا ذکر ختم کرتے ہیں ۔ فرانس کے محقق موسیو بوٹا اور حال کی تحقیقات کے زمانہ میں جو ۷۰ برس کا زمانہ گذرا ہے اُس میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ انگریزی فرانسیسی ۔ امریکانی اور جرمن محققوں نے کیسے کیسے عجیب وغریب کام کیے اور کس طرح بابل اور سُومر کے پُرانے مقامات کو جو ہزارہا برس سے زمین میں روپوش ہو چکے تھے زمین کھود کر برآمد کیا ۔ اور بہت سے ہزاروں برس کے پُرانے شہروں کے پتے چلائے کہ وہ کہاں تھے ۔ گو اُن کو پورے طور سے کھود کر ظاہر نہیں کیا گیا ۔ پُرانی عمارتوں میں سے بکثرت مختلف اقسام کی چیزیں ۔ پتھروں پر اُبھری ہوئی مورتیں ۔ بُت ۔ ہر قسم کے ظروف ۔ زیورات ۔ طرح طرح کے آلات ۔ ہزارہا بیلن کی شکل کی مُہریں نکالیں جن پر پُرانے زمانہ کے واقعات وحادثات ۔ جشن وجلوس ۔ قربان گاہوں کے جلسوں کی تصویریں بنی تھیں ۔ بڑی بڑی صنعت و دستکاری کے نمونے برآمد کیے ۔ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جن سے ارض دجلہ و فرات کی تہذیب و تمدن کی پوری تصویر اُتارنے میں جابجا مدد ملی ہے ۔ ان ہی چیزوں سے سراغ لگا کہ یہ زمین کن قوموں سے آباد رہ چکی ہے ۔ ان قوموں کے جنگ وجدال کے کیا طریقے تھے ۔ اُن کی روزانہ زندگی کے کیا شغل تھے ۔ اُن کے مکانات کی وضع اور اُن کی صنعت وحرفت کی کیا حالت تھی ۔ اُن کے مذہبی معتقدات کیا تھے ۔ ان چیزوں سے بھی بڑھ کر کتبے تھے جو بتوں کے جسم پر چڑھاوے کی چیزوں پر اور یادگاری پتھروں پر لکھے ہوئے برآمد ہوئے جن کو

پڑھ کر ہم زمانۂ قدیم کے حالات کو بخوبی سمجھ سکے ۔ لاکھوں مٹی کی تختیاں ایسی نکلیں جن پر عبادت خانوں وہیاکل کی جائداد اور انتظامات درج تھے ۔ یہ تختیاں ہزاروں برس سے لیکر سیکڑوں برس قبل ولادت مسیح کی ثابت ہوئیں - ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان پرانے زمانوں میں لوگ آپس میں معاملات کس طریقے پر کرتے تھے ۔ کیا قانون رکھتے تھے ۔ کن ضوابط کے پابند تھے - ان تمام نادر اشیاء کے علاوہ وہ تیس ۳۰ ہزار تختیاں اور تختیوں کے ٹکڑے ہیں جن پر بابل واشور کے علوم وفنون لکھے ہیں - یہ تمام ادبی ذخیرہ نینوہ کے شاہی محل سے برآمد ہوا - اسی طرح ہزارہا تختیاں ہیں جو جنوب کے ٹیلوں سے ہیاکل کے قدیم دفتر خانوں کو کھود کر نکالی گئیں ۔ وہ تمام مکتوبی ذخیرہ یورپ اور امریکہ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہے اور اُسکی نقلیں چھاپ دی گئی ہیں تاکہ شائقین علم کی رسائی گھر بیٹھے ان عجائبات تک ہو سکے ۔ جو نئے کتبے دریافت ہوتے ہیں وہ بھی چھاپ چھاپ کر فوراً ماہرین فن کے پاس پہونچا دیئے جاتے ہیں ۔ حال میں جو سب سے قدیم زمانہ کے کتبے نکلے ہیں اُن کا خط تصویری خط کے قریب قریب ہے ۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا خط شکستہ ہوتا گیا یہاں تک کہ جو حروف یا علامات الفاظ تصویر نما تھیں انھوں نے بیکالی شکل پیدا کرلی - غرض ان سب چیزوں کی تحقیق سے بابل واشور کی کہانی جو کھوئی گئی تھی پھر انسان کو مل گئی ۔

محمد عنایت اللہ بی اے

(از انسٹی ٹیوٹ - علیگڈھ)